www.urducouncil.nic.in

مارچ 2023، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔
یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادب اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟
2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟
3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟
4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟
5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟
6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنّفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟
7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟
9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟
10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟
11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟
12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟
13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟
14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟
15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟
16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟
17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟
18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
19 معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟
21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!
22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟
23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

* جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔

بچوں کی دنیا

جلد: 11 شمارہ: 03 مارچ 2023

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی

معاون مدیر: ڈاکٹر مسرت

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ تعلیم۔محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پھرگٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
	مضامین	
حکیم عبدالحمید	سلمیٰ یوسف حسین	06
ترتیب و تنظیم: اہمیت اور افادیت	عظیم اقبال	08
بچوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت	نکہت انجم ناظم الدین	12
	انٹرویو	
بچوں کی ابتدائی تعلیم مادری زبان میں ضروری	رونق جمال	15
	نظمیں	
کامیابی کا راز	بسم اللہ عدیم برہانپوری	19
چڑیاں کوے کیسے آئیں	رضاء الرحمن عاکف سنبھلی	20
دن ہولی کا	عطاء الرحمن طارق	21
سنو صاحب	وکیل نجیب	22
سائیکل	ضیاء الرحمن جعفری	23
آئیے شمع جلاتے ہیں	مناظر حسن شاہین	24
میری مینا	شمیم اختر	24
یہ باتیں ہیں ساری بہت کام کی	ارشاد احمد	25
میری منی	مصباح الدین طارق	26
	کہانیاں	
ماسٹر پیارے لال	انس مسرور انصاری	27
سورج گیانانی کے گھر	نصرت شمسی	31
دانشمند ساتھی	محمد الیاس	33
مثالی دوستی	عبدالناصر	36
محنت	عبدالمجید مکرو	39
دوستی	نصیر رمضان	41
	پرانی فائل سے	
کنول کا پھول	محمد قاسم صدیقی	43
خواب	اشتیاق بچھرایونی	45
	بچوں کا کتب خانہ	
گنبد کا جادو	رحیم رضا / محمد اکرام	48
	سائنس نامہ	
چاند کی دنیا	اندرجیت لال	50
	صحت	
کان اور بہرا پن	اکبر خان اشک جالوری	55
	ننھے فنکار	
بڑا شیرو اور چھوٹا شیرو	صباحت فردوس	57
قابل افسر	شیخ عبدالبصیر مصدق	59
پینٹنگ		60

پیارے بچو! تعلیم حاصل کرنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے، تعلیم کے بغیر کوئی بھی قوم ترقی نہیں کر سکتی، یہی وہ کنجی ہے جس سے ہر مشکل آسان ہو سکتی ہے، تعلیم کے لیے آپ اپنے کو وقف کر دیں، تعلیم ہی سے کامیابی و کامرانی آپ کے قدم چومے گی، تعلیم

سے ہی دنیا میں انقلاب آ سکتا ہے، تعلیم کے بغیر صحت مند معاشرے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، دنیا کی ہر ترقی یافتہ قوم نے تعلیم پر زور دیا ہے، اچھی اور کامیاب زندگی تعلیم سے ہی ممکن ہے، جس طرح خوراک انسان کے زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے اسی طرح تعلیم بھی ضروری ہے، تعلیم کے ذریعے ہی ہم دنیا کے تمام مسائل و مشکلات سے نمٹ سکتے ہیں، آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہو گا کہ وہی قوم کامیاب ہوئی ہے جس نے تعلیم کی اہمیت کو سمجھا ہے۔

بچو! تعلیم انسان کا زیور ہے، آپ کتابوں سے اپنا رشتہ جوڑیں، کتابوں سے دوستی کریں، اسے اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا لیں، تاریخ شاہد ہے کہ جس نے بھی کتابوں سے رشتہ جوڑا وہ کامیاب ہوا، زندگی کے ہر امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہم وقت رہتے اس کی تیاری کریں، ہم جتنی بہتر تیاری کریں گے نتائج بھی ہمیں ویسے ہی حاصل ہوں گے۔ یہ مقابلے کا دور ہے اس لیے اپنے آپ کو ہر وقت اور ہر لمحہ تیار رکھیں، اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بچے امتحان سے خوف کھاتے ہیں، انھیں ناکامی کا ڈر ستانے لگتا ہے، یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب امتحان کی تیاری صحیح طریقے سے نہیں ہوتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وقت رہتے امتحان کی تیاری کریں، اچھے نمبرات حاصل کرنے کے لیے محنت و مشقت لازمی ہے، وقت کا صحیح استعمال کریں، روزانہ پڑھائی کی عادت ڈالیں، بلا ناغہ اسکول جائیں، کلاس میں دلچسپی لیں، ہر کلاس کو بہت ہی دلچسپی اور توجہ سے سنیں، جتنا زیادہ آپ اپنی پڑھائی کو وقت دیں گے اتنے ہی اچھے نمبرات حاصل کریں گے۔ اچھے دوست بنائیں، اس سے آپ کو پڑھائی میں بہت مدد ملے گی، خالی اوقات میں ان سے تعلیم کے متعلق گفتگو کریں، آپسی بات چیت سے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں، پڑھنے کے لیے ایک شیڈول بنا لیں، اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ تمام مضامین کو آپ وقت دے سکتے ہیں، ایک ڈائری بنا لیں جس میں ضروری چیزوں کو نوٹ کرتے جائیں، امتحان کی تیاری میں یہ چیزیں یقیناً آپ کے لیے معاون ثابت ہوں گی۔

پیارے بچو! آپ ملک و قوم کا سرمایہ ہیں، اس لیے اپنے وقت کا صحیح استعمال کریں، تعلیم پر پوری توجہ دیں، اپنے پسندیدہ مضامین کے متعلق والدین اور اساتذہ سے ضرور مشورہ کریں، ان کے مفید مشورے یقیناً آپ کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے۔

آپ کا

عقیل احمد

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

هر ماہ کی طرح ماہ فروری کا 'بچوں کی دنیا' کا شمارہ خوشنما سرورق واندرونی صفحات کے ساتھ موصول ہوا جس میں ہر مضمون اور نظمیں قابلِ مطالعہ ہیں، خاص طور پر اداریہ، مضامین جیسے مادری زبان کی اہمیت، درد بے زبانوں کا، پسند آیا۔ اقبال برکی صاحب سے انٹرویو'ذہنی و فکری ارتقا کے لیے مطالعہ لازمی' بھی قابل تعریف ہے۔ کہانی سپنوں کا عکس بھی خوب ہے۔ میری عمر 68 سال ہے پر ہر مہینے 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتا ہوں جس سے مجھے میرا بچپن یاد آتا ہے اور ایک خاص قسم کی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

دیگر کالم 'چمن چمن کے پھول' میں اردو کی ستائش میں جو اشعار شائع ہوئے ہیں، بہترین ہیں جسے بچوں کی دنیا میں شائع کرنے پر آپ کا شکریہ!

رفیق ابراہیم پرکار، کرجی، کھیڈ رتنا گیری، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' کا گیارھواں سال مبارک ہو! اس کے لیے مدیر صاحب اور تمام عملہ مبارکباد کا مستحق ہے۔ فروری 2023 کا شمارہ بذریعہ ڈاک موصول ہوا۔ پچھلے شماروں کی طرح اس شمارے کے سبھی مشمولات قابل تعریف ہیں۔ میری ناقص رائے یہ ہے کہ اس میں بچوں کے لیے کچھ انعامی اور ذہنی مشغلہ ہو جیسے رنگ بھرو، غلطی تلاش کرو، سوال جواب کے ساتھ لطیفے چٹکلے وغیرہ۔

ڈاکٹر افتخار انیس حمیدی، 196، چلہ امروہہ (یوپی)

'بچوں کی دنیا' جنوری کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ قومی کونسل دہلی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ بچوں کی دنیا ایک مقبول اور موقر رسالہ ہے جس کا بچوں کے ساتھ ساتھ بڑے بھی بے صبری سے منتظر رہتے ہیں۔ اداریہ بھی ہمیشہ کی طرح با مقصد اور اہم باتوں پر محیط ہے جس میں آپ نے طلبا کو معلومات عامہ سے فیض یاب ہونے کے لیے جدید تکنیک کے ساتھ ساتھ وقت اور مطالعہ کی اہمیت و افادیت جمہوریت اور یوم دستور کے متعلق اہم معلومات دیتے ہوئے آئین ہند کی حفاظت کی طرف بھی توجہ دلانے کا کام کیا ہے۔ حشمت کمال پاشا صاحب کا انٹرویو بھی دلچسپ ہے وہیں تحفہ میں گھوڑا سبق آموز تخلیق ہے، ریحان کا جذبہ ایک مثبت پیغام پر مبنی ہے۔ نظموں میں دو ہے، اللہ کی زمین، قدرت کا شاہکار عمدہ کاوشیں ہیں۔ کلورو پلاسٹ سائنسی مضمون بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں کے لیے بے حد دلچسپ اور مفید ہے۔

رحیم رضا، بہاول، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

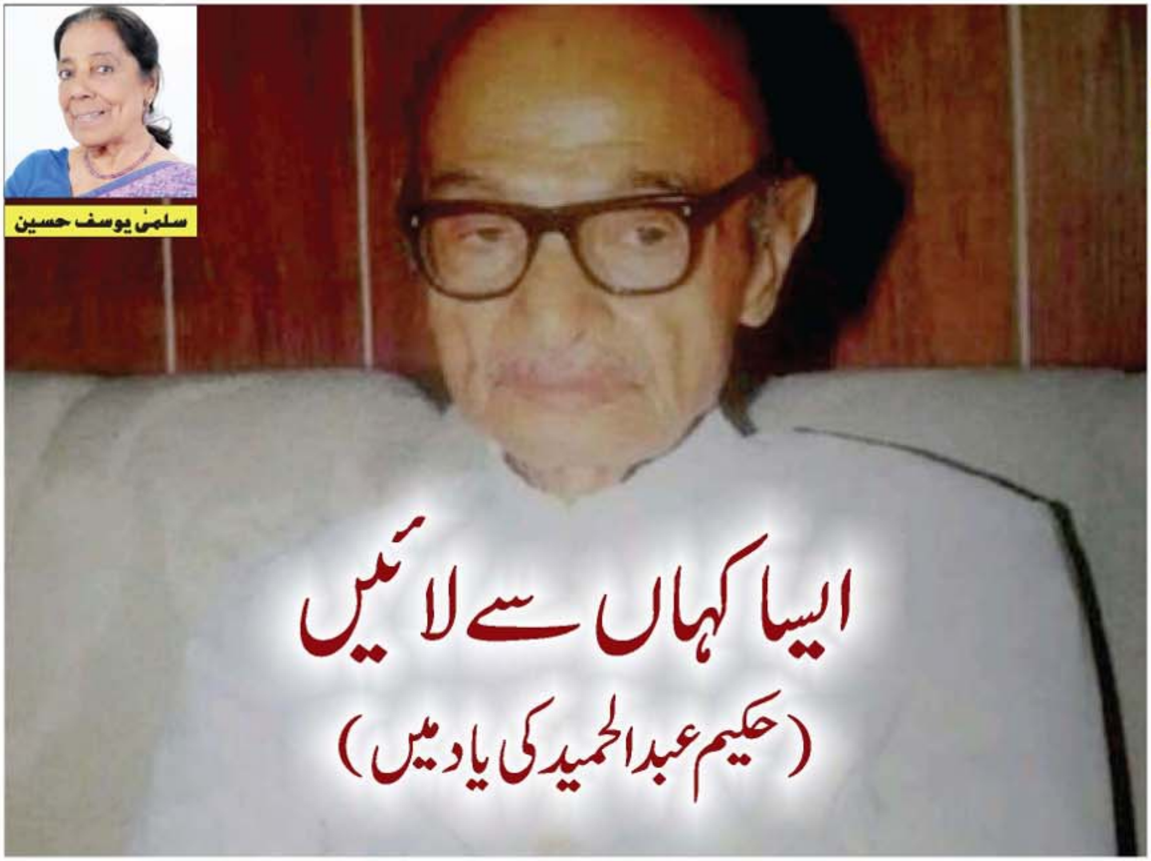

سلمیٰ یوسف حسین

ایسا کہاں سے لائیں
(حکیم عبدالحمید کی یاد میں)

دلی میں ایک بہت بڑے حکیم گزرے ہیں جن کا نام تھا حکیم عبدالحمید۔ وہ نہ صرف ایک اچھے حکیم بلکہ ایک اچھے انسان بھی تھے۔

14 ستمبر 1908 کو حکیم عبدالحمید نے اس دنیا میں آنکھیں کھولیں اور 23 جولائی 1999 میں زندگی کا سفر مکمل کیا اور دنیائے فانی سے کوچ کیا۔ 91 سال کی عمر پائی۔ اس طویل عمر میں انھوں نے اپنے طبی اور تعلیمی کارناموں سے دنیا کو متحیر کر دیا۔

حکیم صاحب نے بہت چھوٹے اثاثے سے زندگی شروع کی اور اس کی اونچائیوں کو چھو لیا۔ زندگی کے اس لمبے سفر میں انھوں نے ایسے اداروں کی بنیاد ڈالی جو رہتی دنیا تک ہزار ہا لوگوں کو روزگار مہیا کراتے رہیں گے۔

ملک کی تقسیم کے پر آشوب دور میں ایک جواں سال اور جواں عزم مسلمان باشندہ شہر سے میلوں دور تغلق آباد اور بدر پور کے جنگلات میں زمینیں خریدنے میں مصروف تھا۔ یہ نوجوان اور کوئی نہیں حکیم عبدالحمید تھا جس نے ایک خواب کو اپنی آنکھوں میں بسا لیا تھا اور وہ خواب تھا ایک یونیورسٹی قائم کرنے کا منصوبہ!

ایک کے بعد ایک ادارے کی تکمیل کا سلسلہ شروع ہوا۔ حکیم صاحب کی خاموش جدوجہد کے نتیجے آہستہ آہستہ ظاہر ہونے لگے۔ صحت، تعلیم اور تحقیق کے چھوٹے بڑے ادارے وجود میں آنے لگے۔ ان کی تعمیر کا سلسلہ 1972 سے شروع اور 1989 میں ختم ہوا۔ حکیم صاحب نے سارے اداروں کو ایک لڑی میں پرو کر اسے جامعہ ہمدرد کا نام دیا۔ آج جامعہ ہمدرد کا

شمار دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے۔

سنگم وہار کے گنجان علاقے میں تعلیم آباد کا کیمپس انہی کے خواب کی تعبیر ہے۔ ہمدرد پبلک اسکول جہاں نرسری سے بارہویں کلاس تک تعلیم وتربیت کا معیاری انتظام ہے۔

بچوں کی فکر کے ساتھ ساتھ عام انسانوں کی فکر بھی انھیں تھی اور اسی کے مدنظر ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی وجود میں آئی۔ ہمدرد اسٹڈی سرکل سول سوس کے امتحانات میں شامل ہونے والے ہونہار نوجوانوں کو مفت کوچنگ مہیا کرتا ہے۔ ان کے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام بھی دیگر سہولیات میں شامل ہے۔

اگر حکیم صاحب کے بنائے اداروں اوران کے کارناموں کا ذکر کروتو سمندر کی سیاہی بھی کم پڑجائے گی۔

حکیم صاحب کی زندگی کا اصول تھا محنت، جفاکشی بے غرضی اور بے نفسی۔ ان سارے اداروں کی تکمیل کے دوران انھوں نے ہزارہا مصیبتوں کا سامنا کیا ہوگا۔ ہزار ہا رکاوٹوں نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی ہوگی لیکن حکیم صاحب نے ہمت نہیں ہاری اور اپنے مقاصد کو پورا کیا۔

حکیم صاحب نے تعلیم وتربیت کے علاوہ علم طب کی ترقی کے لیے بھی کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ملک کی تقسیم کے بعد جب طب یونانی پر زوال آیا حکیم صاحب نے اسے دوسری زندگی دی اور فن طب کے ریسرچ کو آگے بڑھایا۔

ان تمام بڑے بڑے کارناموں کے باوجود درویشانہ زندگی کے قائل تھے۔ نہ نام ونمود کی خواہش اور نہ روپے پیسے کا غرور۔ وہ ایک سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ ان کا کہنا تھا سادگی سے جیواور فکر کو اونچا رکھو۔ محنت سے جی نہ چراؤ۔ مال و دولت پر غرور نہ کرو۔ پاؤں زمین پر ہو اور فکر آسمان پر۔

اتنی ساری مصروفیات کے ساتھ مطب بھی چلاتے تھے۔ مریضوں کو دیکھنے، تصنیف وتالیف کے لیے بھی وقت نکال لیتے تھے۔ ساتھ ہی ہلکی پھلکی گفتگو بھی کر لیتے تھے۔

حکیم صاحب کی خدمات کے سلسلے میں انھیں مختلف اعزاز سے نوازا گیا۔ 1965 میں پدم شری اور 1991 میں پدم بھوشن۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک نے بھی انھیں مختلف اعزاز سے نوازا۔

دس سال مجھے حکیم صاحب کی سرپرستی میں کام کرنے کا موقع ملا۔ ان سالوں کی یاد مجھے دل و جان سے زیادہ عزیز ہے۔ جفاکشی اور جانفشانی کا سبق میں نے انھیں سے سیکھا۔ ہر جمعرات کو وہ ہمدرد یونیورسٹی جاتے تھے اور چانسلر ہاؤس میں دو دن قیام کرتے تھے۔ ان دو دنوں میں وہ پیدل یونیورسٹی کے ہر شعبے میں جاکر وہاں کے حالات کا اندازہ لگاتے تھے۔ اسپتال میں مطب بھی چلاتے تھے اور شام کے وقت برگزیدہ لوگوں سے ملاقات بھی کرتے تھے یعنی ان دو دنوں میں وہ اتنا سب کچھ کر لیتے تھے کہ ایک عام آدمی ہفتے بھر میں کر پاتا۔

حکیم صاحب نے اپنی تقدیر خود بنائی اور ملت کی تقدیر بنانے کے لیے جتن کیے۔

بچو! حکیم صاحب کی زندگی کو اپنا معیار زندگی بناؤ اور دنیا میں انہی کی طرح اپنا نام روشن کرو۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(تعارف مئی 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Salma Yusuf Husain
E-52, Suncity
Sector- 54
Grugram- 122003 (Haryana)

ترتیب و تنظیم — اہمیت اور افادیت

عظیم اقبال

ایک واقعہ

اس وقت (1956) میں آٹھویں درجے کا طالب علم تھا۔ ہمارا NCC کیمپ دھنباد میں لگا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد جب سبھی اپنے اپنے خیموں میں سونے کی تیاری میں تھے کہ اچانک بگل بج اٹھا۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ یہ اشارہ تھا کہ خیموں سے نکل کر سبھی میدان میں یکجا ہو جائیں۔ ہر طرف افراتفری مچ گئی۔ میدان میں سارے کینڈیڈٹس صف بند ہو گئے تو مائک پر اعلیٰ فوجی افسر کی آواز گونجی:

''سبھی کینڈیڈٹس ابھی دوڑ کر ریلوے اسٹیشن تک جائیں گے، اور فوراً واپس ہوں گے۔''

کیمپ سے اسٹیشن کا فاصلہ 13 کیلومیٹر تھا۔ سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ گویا سب پر مشکلوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ این سی سی میں فوجی انداز پر تربیت ہوتی ہے اور فوجی قاعدے قانون چلتے ہیں۔ یہاں حکم شکنی نہیں ہوتی۔ اگر ہوئی تو پھر کورٹ مارشل!

یہ ہماری سزا تھی۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ کھانے کے بعد جوٹھن زمین پر چھوڑ دیے گئے تھے۔ بہت منت سماجت کے بعد طے پایا کہ اسی وقت ہم جگہ کی صفائی کریں اور دھلائی کریں۔ نیز آئندہ ایسا کرنے سے باز رہیں۔ اس کے بعد ہی گلوخلاصی ہو پائی تھی۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک بڑی آفت سے بچ گئے!

ایک دوسرا واقعہ

ہمارا ایم اے کا فائنل امتحان (1965) بہار یونیورسٹی مظفر پور میں چل رہا تھا۔ امتحان کا وقفہ چار گھنٹے کا ہوتا تھا۔ لکھنے کی دھن میں وقت کیسے بیت جاتا، پتہ نہ چلتا۔ چوتھے پیپر کے دن درمیانی اوقات میں سینئر سپرنٹنڈنٹ اپنے چند معاونین کے ہمراہ گشت لگاتے ہوئے اچانک ہال میں داخل ہو گئے۔ آتے ہی حکم دیا:

''لکھنا بند کر دیں!''

ہم حیران اور پریشان بت بنے رہے۔ سب کی نگاہ انہی کی طرف تھی۔ سماعت بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھی۔ سب کے چہرے پر ایک ہی سوال تھا:

''آخر ہوا کیا؟''

انھوں نے آگے کہا:

''اردگرد نظر ڈال لیجیے۔ میزوں اور کرسیوں کی بے ترتیبی دیکھ لیجیے۔ آپ سب اب یونیورسٹی سے فارغ ہونے جارہے ہیں۔ ایسی امید نہیں کی جاسکتی کہ جہاں رہیں گے، ایسا بکھراؤ ہو۔ خود فیصلہ کیجیے۔''

وہ رکے۔ سب کی سانسیں رکی تھیں۔ پھر بولے:

''پانچ منٹ کے لیے لکھنا بند رکھیں۔ اور پہلے کمرے کی حالت ٹھیک کرلیں۔ پھر لکھیں۔ آپ کو گھنٹی لگنے کے بعد 5 منٹ اضافی وقت ملے گا۔''

ہم نے تعمیل کی۔ امتحان بخیر وخوبی چلا۔

یہ دو واقعے ہیں جو میرے تعلیمی دورانیے میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ کبھی بھلائے نہ جاسکے۔ ان دو واقعات نے میری شخصیت سازی میں بڑی مدد کی۔

ترتیب و تنظیم سے دلی خوشی ملتی ہے۔ کام بخوبی ہوتا ہے۔ آپ، سب کا دل جیت لیتے ہیں۔ دیکھنے والے تعریف کرتے ہیں۔ ترتیب و تنظیم کو سمجھنے کے لیے آیئے اپنی ذات پر ایک نظر ڈالیں۔ ذرا سوچیے، اگر آپ کی آنکھیں جہاں ہیں، وہاں نہ ہوکر جسم کے دیگر حصے میں ہوتیں تو کیا بدہیئتی ہوتی، کیسی بدنظمی ہوتی۔ چہرے کے ہر عضو کو اس کی جگہ سے ہٹا کر، کسی دوسری جگہ رکھنے کا تصور کیجیے۔ آنکھ اگر کان کی جگہ ہو، اور کان آنکھ کی جگہ، ناک رخساروں کے وسط میں نہ ہوکر اگر ٹھوڑی پر ہو یا پیشانی پر ہو تو آدمی کیسا لگے گا۔ آپ بے ساختہ ہنس دیں گے۔ پھر خدا کی صفات پر سوال کرنا بھی شروع کردیں گے۔ وہ تو ہر جگہ موجود ہے، سب کچھ جاننے والا ہے، ہر قوت سے ارفع ہے، وہ بھلا ایسی بے وضعی کیسے پسند کرے گا!

چہرہ ہی کیا، جسم کے دیگر اعضا کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ کسی کو اس کی جگہ سے ہٹا کر، دوسری جگہ رکھنے کی ہر تجویز آپ خود رد کردیں گے۔ قدرت نے منصوبہ بندی کے بعد اور بہت سوچ سمجھ کر نظام جسم کی تشکیل کی ہے۔ اس سے آپ انکار نہیں کریں گے!

اپنی ذات سے نکل کر اب ذرا گرد و پیش پر آیئے۔ ہماری زمین جس زاویے پر محو گردش ہے، آفتاب سے اس کی جو دوری ہے، اس میں ذرا بھی الٹ پھیر پوری کائنات کے نظام کو نیست و نابود کردے گا۔ یہ سچ ہے کہ ترتیب و تنظیم پر دنیا قائم ہے اور دنیا کا نظام رواں دواں ہے۔

اس سے ہمیں درس ملتا ہے کہ ہم بھی اپنی ذات میں انہی صفات کو جگہ دیں۔ ہمارے دین نے بھی اس کی تلقین کی ہے۔ آسمانی صحیفوں میں جگہ جگہ اس جانب اشارہ ہے اور غور وفکر کی تاکید کی گئی ہے۔

یہ کہاوت آپ نے یقیناً سنی ہوگی کہ ''بچہ آدمی کا باپ ہے!'' انگریزی کے معروف شاعر ولیم ورڈز ورتھ نے اس خیال کو اپنی نظم 'The Rain Bow' میں قلم بند کیا ہے:

"The Child is the father of the Man."

پہلی نظر میں تو اس خیال کی حقیقت پر پردہ پڑا رہتا ہے، لیکن غور وفکر کے بعد ہم پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اور پیغام کی وضاحت ہوجاتی ہے۔ دراصل بہ طور طفل ہم جو کرتے ہیں، جو سوچتے ہیں، اور جیسی عادتیں اپناتے ہیں، سیانا ہونے پر ہماری کارکردگی، ہماری سوچ اور ہماری عادت جوں کی توں رہتی ہے۔ اس میں تبدیلی کا امکان نہیں رہتا!

اس مقولے اور اس خیال کی پاسداری کریں تو یہ ناگزیر ہوجاتا ہے کہ ابتدائی دنوں سے ہی خود میں ترتیب و تنظیم کی جڑیں مضبوط ہوں تاکہ بطور آدمی ہمارے اندر یہ اوصاف پوری طرح سرگرم ہوں۔ نہ کردار راتوں رات بنتا ہے اور نہ سوچ و فکر میں پل بھر میں تبدیلی آتی ہے!

آیئے، دیکھیں کہ اس مقصد کی برآوری کے لیے ہماری تیاری کیسی ہونی چاہیے۔ سب سے پہلے اپنا ہدف طے کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر وقت ضائع ہوگا! وقت کی پابندی کو اپنا شعار بنائیں۔ پل پل کا حساب رکھیں اور ہر شب دیکھیں کہ بیتے ہوئے دن میں آپ کا حصول کیا اور کیسا رہا! بہتر تو یہ ہوگا کہ اس کے لیے ایک روزنامچہ رکھیں۔

ایک متعین نظام الاوقات (Qouitine) کا ہونا بھی ضروری ہے۔ سونے، اٹھنے، عبادت کرنے کے لیے، کھیلنے کودنے، پڑھنے لکھنے، درس گاہ آنے جانے، گھر کے کام میں والدین کا ہاتھ بٹانے، دوستوں سے ملنے غرضیکہ ساری سرگرمیوں کے لیے وقت کا تعین ہونا چاہیے۔ اس پر عمل بھی ہونا چاہیے۔ پھر بھی وقت بہ وقت ضرورت کے مطابق استثنائی معاملے کی گنجائش رکھی جاسکتی ہے۔ آدمی مشین نہیں ہوتا! ویسے مشین کو بھی وقت، وقت پر روکنا پڑتا ہے تا کہ اسے آرام ملے، بہت ممکن ہے کہ پہلے پہل آپ اکتاہٹ محسوس کریں، لیکن جلد ہی عادت لگ جائے گی۔ پھر آپ ایک انوکھی مسرت سے ہم کنار ہوں گے!

آپ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے استعمال کی چیزوں سے واقفیت رکھیں، انھیں سنبھال کر رکھیں، ان کی حفاظت کریں۔ اپنی کتاب، کاپی، یونیفارم، موزے، جوتے، رومال اور ماسک سب کو ڈھنگ سے اور صاف ستھرا رکھیں ان کے رکھنے کی جگہ متعین ہوتا کہ بہ وقت ضرورت کسی چیز کو پانے میں دشواری نہ ہو۔

ہر دن درس گاہ جانے سے قبل اپنا بیگ چیک کرلیں اور مطمئن ہوجائیں کہ ضرورت کی ساری چیزیں وہاں موجود ہیں۔ یہ کام قبل از وقت کریں تا کہ آخر وقت میں کوئی بھول چوک نہ ہوجائے۔

ابتدا میں والدین رہنمائی کریں گے پھر آپ کو کسی ہدایت کی ضرورت ہوگی، نہ رہنمائی کی۔

دوستو! اپنی کتابیں اور کاپیاں کسی کو مستعار دینے سے

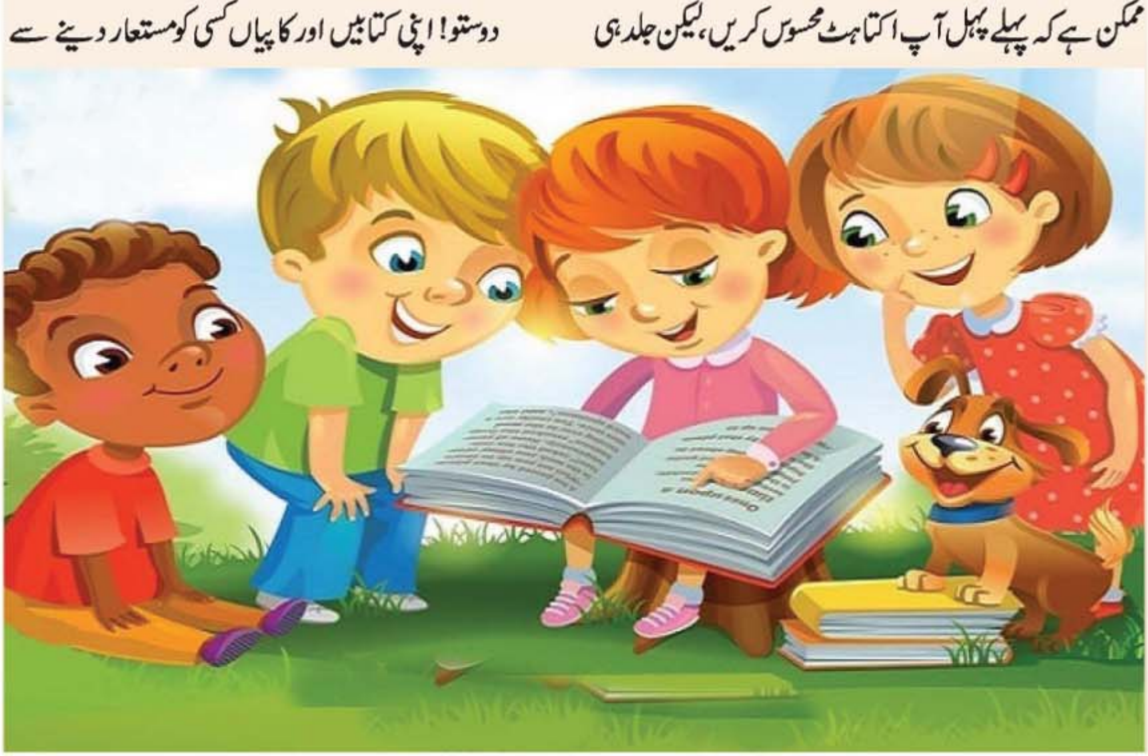

گریز کریں۔ اسی طرح دوسروں سے یہ چیزیں مستعار لینے سے بچیں۔ اس سے آپ میں خوداعتمادی آئے گی۔ بعد میں یہ خوداعتمادی آپ کے کام آئے گی۔

آپ کی کتابوں اور کاپیوں کی طرح آپ کی شیلف اور آپ کی میز بھی درست حالت میں ہونی چاہیے۔ میز پر کتابوں اور کاپیوں کا ڈھیر نہ لگائیں۔ ضرورت کے مطابق انھیں وہاں رکھیں اور کام ہوجانے پر واپس ان کی جگہ پر رکھ دیں۔

عزیزو! ویسے تو آن لائن کلاسز کا چلن شروع ہوگیا ہے اور درس گاہ نیز دیگر وابستہ اداروں سے ہدایتوں کے حصول کے لیے بھی آن لائن ہونا ضروری ہے۔ پھر بھی تفریحی مقاصد، خصوصاً ویڈیو گیمس سے خود کو بچا کر رکھیں۔ ضروری کال ریسو کرلیں اور ضروری کال ہی کریں۔ ویسے جس قدر ممکن ہو موبائل چلانے سے بچیں۔ وقت کا زیادہ استعمال پڑھائی کے لیے کریں۔

ساتھیو! پڑھائی سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ ہر وقت کتابوں میں ڈوبے رہیں۔ آپ کے لیے صحت کے اصولوں کی پابندی بھی لازم ہے۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ کھیل کود کو پس پشت نہ ڈالیں۔ صحت کے لیے مناسب اور بروقت خوراک لیں۔ تھوڑی تفریح بھی کریں۔ ذہن کو ہلکا رکھیں۔ پوری نیند سوئیں۔ نیند میں کمی سے دیگر پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔ نیند کی حالت میں پڑھائی سے فائدہ نہیں ہوتا!

عزیز دوستو! عادت، اچھی ہو یا بری، راتوں رات نہیں بدلتی۔ ویسے یاد رکھیں کہ اچھی عادتیں سیکھنی پڑتی ہیں، سیکھنے کے دوران جی پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ دوسری طرف بری عادت ایک وائرس (Virus) کی طرح ہے، جو لگ گئی تو لگ گئی۔ اس کے نقصانات کا اندازہ بعد میں ہوتا ہے۔ یاد رکھیں کہ اچھی عادت کبھی چھوٹتی نہیں۔ یہ آپ کی شخصیت کا حصہ بن کر اسے رونق بخشتی ہے۔ دوسری جانب بری عادت ایک عیب ہے، جس سے نجات کے لیے بہت تگ و دو کرنا پڑتا ہے۔ اچھی عادت آپ کو مسرت اور شادمانی بخشتی ہے، جب کہ بری عادت ایک لعنت ہے۔ اس لیے اس کے تئیں شروع سے ہی آگہی کی ضرورت ہے۔

دوستو! عملی زندگی میں داخل ہوتے ہوتے ترتیب و تنظیم کے وہ بیج جو آپ کی شخصیت میں بیتے دنوں میں بوئے گئے تھے، اب پھول، پھل لے آئیں گے، جس سے آپ مستفید ہوں گے اور معاشرہ آپ پر ناز کرے گا۔

حرف آخر

یہاں ایک واقعے کا ذکر ضروری ہے:

کسی اعلیٰ عہدے کے لیے ایک نجی ادارے نے امیدواروں کو بلایا تھا۔ انٹرویو کے کمرے سے باہر ایک میز پڑی تھی اور اس کے نیچے ایک کتاب قصداً گرا دی گئی تھی۔ امیدوار آتے اور گری ہوئی کتاب کو نظرانداز کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔ ان سب کی حرکات وسکنات کا جائزہ بورڈ کے ارکان کلوز سرکٹ کیمرے کے وسیلے سے لے رہے تھے۔

آخر میں ایک امیدوار، اپنی باری آنے پر میز کے پاس رکا، گری ہوئی کتاب پر نظر ڈالی اور اسے اٹھا کر میز پر رکھ دی۔ اراکین کے روبرو پیش ہونے پر اس کا پرتپاک خیرمقدم ہوا۔ اس کے کاغذات دیکھے گئے۔ اسے نوکری کا پروانہ سونپ دیا گیا۔ مجلس کے صدر نے اس سے مصافحہ کیا اور بولے:

''تم جیسے نوجوان کی ہی ہمیں ضرورت ہے!''

■

Azim Iqbal
Adabistan , Ganj-1
Bettiah- 845439, Bihar
Mob.: 9006502649

مضمون

نکہت انجم ناظم الدین

بچوں کی ذہنی واخلاقی تربیت

سماج افراد کا مجموعہ ہوتا ہے۔ سماج میں مختلف ماہرانہ صلاحیت رکھنے والے افراد پر سماج کی ترقی کا انحصار ہوتا ہے۔ صحتمند ذہنیت رکھنے والے افراد صحتمند معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں اور یہ صحت مندانہ ذہنیت اور صحتمندانہ عادات واطوار فرد میں بچپن سے ہی پرورش پاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے۔ بچہ طرز گفتگو سے لے کر طرز زندگی تک اپنی ماں سے سیکھتا ہے۔ بچے کی تربیت میں ماں کے بعد گھر، خاندان اور سماج کی اقدار اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ بچہ سن کر اتنا زیادہ عمل نہیں کرتا ہے جتنا کہ وہ اپنے بڑوں کی پیروی کرتا ہے۔ ان کے افعال اور اعمال کا بہت جلد اثر قبول کرتا ہے۔ بقول جیمس بالڈون

"Children have never been very good at listening to their elders but they have never failed to imitate them."

- James Baldwin

بچے کی شخصیت میں سیکھنے اور سمجھنے کے جذبے کو وحید الحق صدیقی لہروں سے تشبیہ دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

''اس کے اندر امنگوں اور جوش نمو کی لہریں موجزن ہوتی ہیں۔اس کی سیرت کی تشکیل کا انحصار سمت پر ہوتا ہے۔ جس طرف یہ لہریں بہنے لگیں اگر انھیں اچھی سمت اور راستہ مل جاتا ہے تو سیرت اچھی شکل اختیار کر لیتی ہے اور اگر وہ لہریں بری سمت کی طرف بہنے لگیں تو بری سیرت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ بچوں میں خوشی اور حیرت کا تیز احساس، زندگی کی تازگی اور خوشنمائی، ہستی نادیدہ پر ایمان ،شگفتہ تخیل اور ذوق تجسس خصوصیت سے موجود ہوتا ہے۔''

بچے کو اپنے اطراف میں صحت مند ماحول کی بہت ضرورت ہوتی ہے اگر سماج میں صحت مند ماحول نہ ہو تو بچے کے لیے اسکول اور گھر کی تعلیمات بے معنی ہو جاتی ہیں۔ گھر میں سرپرستوں اور اہل خانہ اور اسکول میں ساتھی طلبہ کا رجحان جس طرح کا ہوتا ہے بچے میں اسی سے متعلقہ مطابقت پیدا ہوتی ہے۔ بچوں کی نفسیات کو سمجھنے کے لیے ہمیں خود کو ان کی

جگہ رکھ کر دیکھنا چاہیے۔ بچوں کی ذہنیت، ان کی نفسیات کو قریب سے ہم تب ہی دیکھ سکتے ہیں جب ہم خود اپنے بچپن میں لوٹ جائیں۔ جو باتیں ہمیں خوش کرتی تھیں، جن باتوں کو لے کر ہم ملول ہو جاتے تھے، ہمارا جوش، تجسس، دوستی، دشمنی غرض ہر جذبہ جو ہم محسوس کر سکتے ہیں اور اسی کے آئینے میں اپنے بچوں اور اپنے طلبا کو بہت اچھے طریقے سے سمجھ سکتے ہیں۔ بہتر دیکھ بھال کے لیے ان پر مثبت اثرات مرتب کرنے کے لیے ہمیں ان کے قریب ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ بچہ جب ہم پر بھروسہ کرنے لگتا ہے تو ہماری عادات واطوار کو قریب سے دیکھنے لگتا ہے تب ہم اس کے لیے ایک رول ماڈل کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ وہ ہماری شخصیت سے اچھی اور بری دونوں باتوں کا اثر لینا شروع کر دیتا ہے۔ ایسے میں یہ ہماری ذمے داری ہے کہ بچے کے لیے اپنے قول وفعل میں یکسانیت کی وہ مثال سیٹ کریں جس سے بچہ ہم سے مثبت رویہ، مثبت اقدار اور مثبت معاشرتی طرز لے سکے اور اسے اپنا کر معاشرے کا بہترین فرد بن سکے۔ ان لینڈرز کہتے ہیں کہ:

"It is not what you do for your children,but what you have taught them to do for themselves that will make them successful human beings."

-Ann Landers

کچھ خواہشات ادھوری ہوں تو بچوں میں Self contlol کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔ نفس پر قابو پانے کی خوبی آئے گی۔ بچوں کی تربیت کرنے والوں کا اصل مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ان میں ضبط نفس مکمل طور سے پیدا ہو اوراپنے ضمیر کی آواز کے مطابق وہ اس پر قابو بھی پا سکیں۔ اخلاقی نظم، معاشرتی نظم اور ماحول سے مطابقت اور ہم آہنگی بھی شامل تربیت ہو۔ بچوں میں مسابقتی جذبہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

بچوں کی ذہنی اور اخلاقی اقدار کو پروان چڑھانا ہماری ذمے داری بھی ہے اور فرض بھی۔ ایک صحت مند ذہنیت رکھنے والا فرد چاہے وہ بچے کے سرپرست ہوں، معلم ہوں یا سماج سے متعلق کوئی فرد ہو اسے چاہیے کہ بچے کے ذہن میں ان تمام اقدار کو داخل کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہو جس کی عظمت اس کے خود کے دل میں ہو۔ ہمیں اپنے بچوں اور طلبہ کو غور سے سننے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ ان کا اعتماد حاصل کرنا چاہیے اور ان کے مسائل بغور سن کر، سمجھ کر اس کا کوئی مثبت حل نکالنا چاہیے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ہم بچوں کے مسائل اور ان کی ذہنی کیفیت کو سمجھ نہیں پاتے ہیں اور اپنے طور پر نتائج اخذ کر لیتے ہیں۔ ایک مہینہ قبل میری کزن سسٹر کے گھر جانا ہوا۔ اس نے بتایا کہ اس کی بیٹی ایک مہینے سے اسکول نہیں جا رہی ہے، اسے پیار سے سمجھایا، ڈانٹ ڈپٹ کی، سختی کی لیکن وہ کسی صورت اسکول جانے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔ میں نے نرمی سے اس سے بات کی، اسے سمجھایا، اسے اعتماد میں لے کر اس کے پیچھے کی وجہ جاننے کی کوشش کی۔ 8 سالہ بچی نے بتایا کہ ایک بار جب وہ اسکول کے واش روم کے اندر تھی باہر سے بچوں نے دروازہ لاک کر دیا بعد میں دروازہ پیٹنے پر اسے باہر تو نکالا گیا لیکن اس واقعے کا ڈر اس کے دل میں اس طرح بیٹھ گیا کہ وہ اسکول جانے کا نام ہی نہیں لینا

چاہتی تھی۔ ایک ذہین بچی کا ایک ماہ تعلیمی نقصان ہوتا رہا۔ اگر معلّمہ اور اس کے والدین اسے اعتماد میں لے کر اس کا مسئلہ سمجھتے اور اس کا حل نکالنے کی کوشش کرتے تو یہ صورت حال درپیش نہ ہوتی۔

بچوں کو صحیح غلط میں تمیز، اچھائی اور برائی کا فرق، بڑوں کا ادب، چھوٹوں سے شفقت، والدین، معاونین اور دیگر افراد خانہ کی ذمے داری ہوتی ہے۔ بچوں کو شخصی طور پر مضبوط کرنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ ان کی تمام خواہشات پوری نہ کی جائیں۔ کچھ خواہشات ادھوری ہوں تو بچوں میں Self contlol کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔ نفس پر قابو پانے کی خوبی آئے گی۔ بچوں کی تربیت کرنے والوں کا اصل مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ان میں ضبط نفس مکمل طور سے پیدا ہو اور اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق وہ اس پر قابو بھی پا سکیں۔ اخلاقی نظم، معاشرتی نظم اور ماحول سے مطابقت اور ہم آہنگی بھی شامل تربیت ہو۔ بچوں میں مسابقتی جذبہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اسے بچوں کو مضبوط طریقہ کار کے ذریعے سکھایا جا سکتا ہے۔ علمی میدان، کھیلوں میں مقابلہ آرائی کروا کے بچے کے اس جذبے کی تسکین کی جا سکتی ہے۔ بشرط یہ کہ اسے باور کرا دیا جائے کہ ہار اور جیت کھیلوں اور مقابلوں کا حصہ ہے اور اسے دل پر نہ لیا جائے۔ ہم اکثر دیکھتے ہیں بچے اپنے والدین کے اقتدار، پیسے، طاقت وغیرہ کا رعب دوسروں پر ڈالنے کے عادی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ Superiority complex کا شکار ہوتے ہیں۔ خود کو برتر اور دیگر لوگوں کو کمتر سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ والدین کی ذمے داری بنتی ہے کہ وہ اپنے کم عمر بچوں میں عاجزی، انکساری اور سب کو یکساں سمجھنے کی عادت ڈالیں۔ بچوں میں مذہب کی نمو، اللہ کی بلند عظیم طاقت کا احساس، سچ جھوٹ، حرام اور حلال کا تصور، اللہ سے روحانی تعلق دعاؤں کے ذریعے خواہشات کی تکمیل ان تمام تصورات سے بچوں کو ضرور روشناس کرانا چاہیے۔

ماہر نفسیات ڈاکٹر عبد الرؤف اپنی کتاب 'بچوں کی نفسیات' میں 'بچوں کی مذہبی تعلیم' سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''مذہبی تعلیمات انسان کو اخلاقی بدحالی، کلیت پسندی، نفرت، عداوت، قنوطیت پسندی، یاس اور جہالت کی تاریکیوں سے نجات دلا کر تمدن کی شاہراہ پر گامزن کرتی ہے۔ مذہب کا مقصد خدا اور اس کے بندوں کے مابین محبت پیدا کرنا ہے اور یہی پرخلوص محبت انسان کو انسان بنانے کے لیے بہترین جذبہ اور معاشرتی شعور پیدا کرنے کی بہترین تربیت ہے۔''

بہت سے بچوں میں Leadership quality بھی ہوتی ہے اسے پالش کر کے بچوں کو صحیح راہ دکھائی جا سکتی ہے اور ان سے عظیم مقصد حیات کے طور پر کام لیا جا سکتا ہے۔ تربیت کے دوران ہم بچوں کے رجحانات پر شعوری طور پر اثر ڈالتے ہیں اس لیے ہمیں یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ ہمارے اور بچے کے نقطہ نظر میں کیا اور کتنا فرق ہے؟ اس کے مطابق ہمیں خیال رکھنا چاہیے کہ ہم اس کی فطرت کے مثبت پہلوؤں کو قوی بنانے میں مددگار ہوں اور برے پہلوؤں پر بہت توجہ سے اس کی مدد کریں۔ بچوں کی صحیح تربیت سے بہترین افراد تیار ہوں گے اور بہترین افراد سے بہترین معاشرہ۔ بقول اقبال۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

■

Nikhat Anjum Nazimuddin
Zila Parishad Urdu
School of Girls, Adilabad
Jalgaon- 425508 (MS)

بچوں کی ابتدائی تعلیم مادری زبان میں ضروری: رونق جمال

س: بچپن کی کون کون سی باتیں، شوخیاں، شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

ج: بچپن میں مجھے پتنگ اڑانے کا بہت شوق تھا۔ میں خود اچھی پتنگ بنالیا کرتا تھا۔ بلیک اینڈ وہائٹ فلم 'رستم وسہراب' دیکھنے کے بعد میں نے لکڑی کی تلوار بنائی تھی اور لمبے ڈنڈے کو دونوں ٹانگوں کے درمیان گھوڑا بناتا اور گھر کے آنگن میں گھوڑا دوڑا کر تلوار چلاتا تھا۔ چھوٹے بھائی اور محلے کے لڑکے میری فوج بن جاتے تھے۔ بچپن سے ہی مجھے مرغیاں، بکریاں پالنے کا شوق تھا جو آج کل میرا ذریعۂ معاش ہے۔ میں دو دو پولٹری فارم کا مالک ہوں۔ شرارتیں کرتا ضرور تھا، لیکن بہت کم ، ایک بار اردو مڈل اسکول کھولا پور ضلع امراؤتی میں ہمارے حساب کے استاد محمد شفیق صاحب حساب کی مشق کروا رہے تھے۔ میرا حساب اچھا تھا لیکن دوسرے طلبا سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ مشق تھی کہ فرض کیا کہ ایک بیل کی قیمت سو روپئے ہے تو دس بیل کی قیمت کتنی ہوگی۔ میں فوراً جواب دے دیتا۔ جب یہی مشق لگاتار ہفتے بھر چلی تو میں بور ہوگیا اور استاد سے کہا جناب فرض بہت ہوچکے، سنت بھی تو کروائیے۔ وہ سن کر غصہ ہوگئے اور میری پٹائی کردی تھی۔ اسکول کی جانب سے پکنک میں بریانی بنا کر لے گئے تھے۔ کھانا کھاتے وقت اساتذہ کو کھانا کھلانے کی ذمے داری میری تھی۔ گوشت کم ہونے کی وجہ سے بوٹیاں گن کر دے رہے تھے۔ ہندی والے جناب بار بار بوٹی لانے کو کہتے تھے۔ ایک بار ڈانٹ کر بولے تو میں نے بھی تنک کر جواب دے دیا۔ جناب بکرا بھاگ گیا ہے بوٹی کہاں سے لاؤں! تمام اساتذہ نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور ہندی والے جناب جھینپ گئے۔

ہاں مجھے نانی دادی اور پھوپھیوں سے کہانیاں سننے کا بہت شوق تھا۔ کہانیاں سنانے کے عوض وہ مجھ سے اپنے کام کرواتیں اور پیر بھی دبواتی تھیں۔

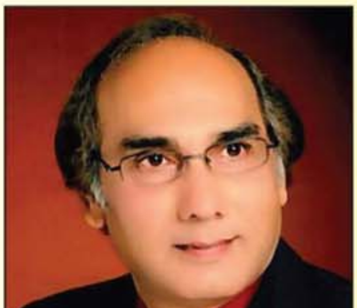

رونق جمال

س: بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

ج: بچپن میں مصنف کی شدبد تو نہیں تھی۔ بس تخلیق سے مطلب ہوتا تھا۔ کہانی دلچسپ لگی پڑھ لیے۔ دلچسپ نہیں لگی صفحہ پلٹ دیے۔ ہاں کالج کے زمانے میں ابن صفی سے بہت متاثر ہوا۔ ان کا ہر ناول پڑھا آج بھی میرے پاس ان کے تمام ناول محفوظ ہیں اور مجلد ہیں جن کی جلد بندی میں نے خود کی ہے۔ سعادت حسن منٹو، منشی پریم چند، احمد ندیم قاسمی، رتن سنگھ، جوگندر پال، بشیشر پردیپ، ستیش بترا، کوثر چاندپوری، علی امام نقوی، غیاث احمد گدی، سہیل عظیم آبادی، عصمت چغتائی، جیلانی بانو، واجدہ تبسم، قرۃ العین حیدر کو پڑھ کر بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا ہے۔

س: بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

ج: بچپن میں اسکول میں اردو نثر کی کتابوں نے بہت متاثر کیا، تاریخ کی اسکولی کتابوں نے بھی متاثر کیا۔

س: بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟

ج: کھلونا (دہلی) اور نور 'رامپور'... ان دونوں رسائل نے

رونق جمال کی کتابوں کا عکس

ہی میرے مطالعے کے شوق کو جلا بخشی ہے۔

س: بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

ج: فی الحال برصغیر میں یوروپ کی طرح بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کتابیں لکھی نہیں جاتیں۔ اگر لکھی بھی جارہی ہوں تو میری نظر سے نہیں گزریں۔ آج کل ملک میں بچوں پر پڑھائی کا بے انتہا بوجھ لاد دیا گیا ہے۔ ان کے پاس مطالعے کے لیے وقت نہیں ہے۔ بچوں کو ذہنی تفریح بھی ضروری ہے۔ جو بھی وقت ملتا ہے وہ آسانی سے دستیاب وسائل کا مطالعہ کرکے اپنی ضرورت پوری کرلیتے ہیں۔ بچوں کی دنیا، امنگ، باغیچہ، روشن ستارے، گلشن اطفال، گل بوٹے، نیا کھلونا، اچھا ساتھی وغیرہ رسائل پابندی سے شائع ہوتے ہیں اور مناسب دام پر دستیاب ہیں۔ بچے شوق سے خرید کر پڑھ رہے ہیں۔

س: زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنّفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں:

ج: ان تمام مصنّفین کی کتابیں جو بچوں کے معیار پر پسند اور ان کی دلچسپی کا خیال رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ اس کام کو برصغیر میں رسائل اچھی طرح انجام دے رہے ہیں۔ چند مصنف بھی ہیں جو ان باتوں کا خیال رکھ کر لکھتے ہیں اور کتابیں چھپواتے ہیں۔ اس معاملے میں قومی اردو کونسل کے اقدامات بھی قابل ستائش ہیں۔

س: مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

ج: زمانے کے حساب سے بچوں کو سائنس، ٹیکنالوجی اور جنرل نالج پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے، یہ کتابیں ان کے کریئر کو سنوارنے اور مستقبل کو مستحکم کرنے میں کارآمد ثابت ہوسکتی ہیں۔

س: اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج: میں نے 25 مئی 1954 کو جلگاؤں کے ممبر پارلیمنٹ سید علی محمد علی کے نواسے کی حیثیت سے آنکھ کھولی۔ میرا تعلق نواب خانوادے سے ہے۔ میرے دادا بزرگوار نواب غلام حسین راز، والا نواب غلام غوث اثر اچھے شاعر تھے۔ ابتدائی تعلیم کھولاپور ضلع امراؤتی اور کالج کی تعلیم امراؤتی میں ہوئی۔ میں نے ناگپور یونیورسٹی ناگپور سے اردو، فارسی میں ایم اے کیا۔ لکھنا 1970 میں شروع کیا۔ ابتدا میں خاتون مشرق دہلی میں شائع ہوتا رہا۔ اب تک ملک کے تمام اخبارات و رسائل میں شائع ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ماہنامہ شاعر (ممبئی)، ماہنامہ بیباک (مالیگاؤں)، سہ ماہی رنگ (دھنباد)، سہ ماہی لفظ لفظ کشمیر نے گوشے شائع کیے ہیں۔ حال ہی میں سہ ماہی اسباق پونا نے رونق جمال فن و شخصیت نمبر شائع کیا ہے۔ اب تک بائیس کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ پولٹری کا کاروبار کرتا ہوں۔ اسٹیج اور چھتیس گڑھی فلموں

میں اداکاری کرتا ہوں۔ بہار اردو اکادمی، مدھیہ پردیش اردو اکادمی سے ایوارڈ مل چکے ہیں۔ صوبے کی سرکار کی جانب سے اسی سال اردو زبان و ادب کی خدمت کے لیے حسن علی ڈھالا ایوارڈ نقد دو لاکھ روپے ملا ہے اور تقریباً دو درجن ادبی ایوارڈ کل ہند اور عالمی پیمانے پر مل چکے ہیں۔ ایک کہانی انگلینڈ کی ہڈرس فیلڈ یونیورسٹی کی کتاب میں شامل ہے۔ چھتیس گڑھ صوبے کی اردو بال بھارتی میں چھٹی ساتویں جماعت کی کتابوں میں کہانیاں اور بھلائی اسٹیل پلانٹ پر ایک مضمون شامل ہے۔ نواب زرینہ جمال بی ایس سی ایل ایل بی میری نصف بہتر ہیں۔

س: آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

ج: پچیس سال پہلے مالیگاؤں کے سلیم رحمانی صاحب نے بچوں کے لیے ماہنامہ 'گلشن اطفال' کو شائع کرنے کا پروگرام بنایا تو مجھ سے فون پر رابطہ کر کے بچوں کے لیے کہانی لکھنے کی فرمائش کی۔ پہلی بار میں نے بچوں کے لیے کہانی لکھی اور اس کے بعد سلسلہ چل نکلا۔

س: آپ کی پہلی تخلیق کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

ج: خاتون مشرق دہلی میں 1971 میں شائع ہوئی۔

س: آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

ج: ملک، سماج، سیاست اور زندگی کے تمام موضوعات میرے افسانوں، کہانیوں، افسانچوں، ادب اطفال، ڈراموں، انشائیوں، طنز و مزاح اور مضامین کا مرکز ہوتے ہیں۔

میں نے بچوں کے لیے صنف 'بچکانچہ' بھی ایجاد کی ہے اور ایک مزاحیہ کردار 'ڈھکن ماموں' بھی پیدا کیا ہے۔

س: کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟

ج: کتاب یا کہانی لکھنے سے پہلے ہی میرے ذہن میں بچوں کی نفسیات اور ان کے ذہنی مطالبات رہتے ہیں۔ ریسرچ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں بھی بچہ رہا ہوں اور حال میں بھی میرے سامنے بچے رہتے ہیں۔ بچوں کے رسائل اور بچوں کے لیے ادبا کی لکھی گئی کتابوں کے مطالعے سے بھی بہت مدد ملتی ہے۔ میری ہر تخلیق میں کوشش رہتی ہے کہ بچوں کے لیے کوئی سبق کوئی نصیحت ضرور ہو، تخلیق صرف وقت گزاری کا ذریعہ نہ ہو۔

س: بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

ج: بچوں کے لیے لکھتے وقت مجھے ابھی تک کسی طرح کی دقت نہیں ہوئی ہے کیونکہ میں جب بھی بچوں کے لیے لکھنے کے واسطے قلم اٹھاتا ہوں تو پہلے میں بچہ بن جاتا ہوں ان ہی کی طرح سوچنے لگتا ہوں ان ہی کی طرح لکھنے لگتا ہوں۔ ہاں روانی میں لکھتے وقت تخلیق میں کچھ مشکل الفاظ آجاتے ہیں جنھیں بعد میں بار بار پڑھ کر آسان الفاظ میں بدل دیتا ہوں۔

س: ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟

ج: یہ بات میرے لیے باعث فخر ہے کہ ادیب اطفال کی حیثیت سے مجھے ملک بھر میں بہت عزت ملتی ہے کیونکہ بچوں کے لیے لکھنے والوں بلکہ اچھا اور بامقصد لکھنے والوں کی بہت کمی ہے۔ خاص کر نثر میں۔ ملک میں کہیں بھی ادب اطفال پر سمینار ہو مجھے ضرور یاد کیا جاتا ہے۔ گل بوٹے کے دہلی میں منعقد پانچ روزہ سمینار میں نامہ نگاروں اور ٹی وی والوں کی نگاہ کا مرکز تھا۔ یہ بات میرے لیے باعث فخر ہے۔

س: کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟

ج: ہاں ضرور پڑھتا ہوں کیونکہ مجھے یہ جاننا ضروری ہے کہ حال میں بچوں کے لیے کیا لکھا جا رہا ہے۔ مجھے ان سب سے ہٹ کر کیا لکھنا ہے اس کے لیے بچوں کے اوپر لکھی جانے والی کتابوں کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

س: انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں؟

ج: انگریزی میں شائع ہونے والے رسائل کا مطالعہ بچوں کی انگریزی درست کرنے کا کام کرتے ہیں۔ جہاں تک دوسری زبانوں کے رسائل کا تعلق ہے میرے خیال سے جن کی مادری زبان اردو ہے ان کے لیے اردو رسائل کا مطالعہ کافی ہے کیونکہ اسکولی نصاب اتنا مشکل ہوگیا ہے کہ طلبا وطالبات کے پاس وقت کا فقدان ہے۔

س: کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟

ج: بالکل ہے۔ بچوں کی دنیا، امنگ، گل بوٹے، گلشن اطفال وغیرہ بہت اچھے معیاری اور دلچسپ رسائل ہیں۔ خاص کر بچوں کی دنیا اور امنگ کی کم قیمت بچوں کے لیے باعث رحمت ہے اور یہ رسائل پابندی سے شائع ہوتے آرہے ہیں۔

س: بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہورہے ہیں ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: اس طرف توجہ کی ضرور ہے۔ ادبا کو اپنی تخلیقات پر دھیان دینا چاہیے۔ مدیران کی بڑی ذمے داری ہے کہ تخلیقات بامقصد اور بے عیب ہوں۔

س: معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: معاصر ادب اطفال سے مطمئن ہوجانا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہوگا اور بچوں کے ساتھ کھلی ناانصافی ہوگی۔ مہنگائی کے باعث رسائل کا دم توڑنا جاری ہے۔ اسکولی تعلیم کے بوجھ کے باعث خاص کر اردو زبان کے اطفالی قارئین کی تعداد سکڑتی جارہی ہے۔ اس لیے ادبا و مدیران کو اچھے سے اچھا مواد اطفالی قارئین تک پہنچانا چاہیے۔

س: بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

ج: ادبا کو سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق مضامین، کہانیاں اور مضامین زیادہ سے زیادہ رسائل میں شامل کرنا چاہیے کیونکہ سائنس کے باعث دنیا گلوبل ویلیج بن گئی ہے اور اب زمانہ سائنس اور نیچر کا ہے۔ اس لیے اطفالی قارئین کو بھی وہی سب پسند ہے اور یہ مضامین ان کے مستقبل اور پڑھائی میں مددگار ثابت ہوں گے۔

س: بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے؟

ج: ہر سماج کو اپنے بچوں کو ابتدائی تعلیم مادری زبان میں دلوانا چاہیے۔ ابتدا سے ہی بچوں کے ہاتھ میں اطفالی رسائل دینا چاہیے۔ جس طرح میرے والدین نے میرے ہاتھوں میں کھلونا اور نور دیا تھا۔

س: ماہنامہ بچوں کی دنیا میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟

ج: بچوں کی دنیا میں کسی بھی طرح کی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ بچوں کی دنیا مکمل رسالہ ہے۔ جس طرح نیچر سے جڑے مضامین شامل اشاعت کررہے ہیں اسی طرح ہر ماہ سائنس اور ٹیکنالوجی سے جڑا ایک مضمون یا کہانی کا اضافہ کرنا ضروری ہے۔

س: بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

ج: پیارے بچو! ابتدائی تعلیم مادری زبان میں حاصل کرو۔ والدین سے کم از کم ایک اطفالی رسالے کی خریداری کے لیے ضد کرو۔ ابتدائی تعلیم اگر مادری زبان میں حاصل نہیں کی ہے تو کم از کم اسکول میں اردو سبجیکٹ ضرور لو کیونکہ اردو گنگا جمنی تہذیب کی زبان ہے۔ قرآن کی تفسیر اور احادیث جتنی آسانی سے اردو میں پڑھی اور سمجھی جاسکتی ہے کسی اور زبان میں نہیں۔ اسلامی لٹریچر اردو زبان میں بے انتہا دستیاب ہیں جس کے مطالعے کے لیے آپ کا اردو جاننا بے حد ضروری ہے۔

■

Ronaq Jamal
'Kainat' Street No.: 9, New Adarsh Nagar
Durg- 491001 (Chhattisgarh)
Mob.: 9981072672

نظم

بسم اللہ عدیم برہانپوری

کامیابی کا راز

عمارت میں پایہ بڑی چیز ہے
تجارت میں مایا بڑی چیز ہے

بہر گام افضل یہ مقصد رکھیں
فروزاں معیشت کی شمع رکھیں
کریں غور مل کر یہ طلبا اگر
بفضل خدا یہ بڑی چیز ہے

بہت کارگر ہے یہ علم و ادب
ترقی کا باعث ہے یہ ہی سبب
ہنر دستکاری ہے جادو عجب
یہ گُن جس میں آیا بڑی چیز ہے

نہ پھیلے جہاں میں غریبی کی دھول
کفالت کے ایسے بتائیں اصول
نہ ہوں دل میں خواہشیں پیدا فضول
مروت کی کایا بڑی چیز ہے

بڑے شوق سے علمِ ریاضی پڑھیں
معاشی توازن کو قائم رکھیں
ہوس کے پجاری نہ عادی بنیں
لگن اس کا سایہ بڑی چیز ہے

فہم اقتصادی، سلیقہ شعاری
دل و جاں سے ہم تم کریں پاسداری
سنور جائے ہستی یہ دنیا ہماری
محبت کا پھایا بڑی چیز ہے

ہر اک لفظ موتی ہے تحفہ عدیم
یہ علمی صدف بھی ہے کتنا عظیم
ملا تجربہ اور یہ عقلِ سلیم
شعور ہم میں آیا بڑی چیز ہے

■

Bismillah Adeem
Sant Kabeer Marg, Jawehri Wada
Mahajnapet
Burhanpur: 450331 (MP)
Mob.: 9630174593,9754242468

رضاء الرحمن عاکف سنبھلی

چڑیاں کوے کیسے آئیں

نظم

بچو! میری سن لو باتیں / پوشیدہ ہیں جن میں یادیں
کوّے کی وہ کائیں کائیں / کیسے ممکن ہے سن پائیں
چڑیوں کا آپس میں لڑنا / طوطوں کا بھی ٹیں ٹیں کرنا
کوئل کی وہ کوک سہانی / باتیں ہوئیں اب یہ تو پرانی
غلغچیوں کے غول وہ سارے / لگتے تھے جو ہم کو پیارے
بلبل کے وہ میٹھے گانے / بچے جن کے تھے دیوانے
سوچو اب وہ کیسے آئیں / کیسے آ کر دل بہلائیں
جن پیڑوں پر تھے وہ آتے / گھر اپنا تھے جن پہ بناتے
وہ تو ہم نے کاٹ ہی ڈالے / کر ڈالے برباد ہی سارے
بستی بستی پیڑ کہاں اب؟ / انسانوں نے کاٹے ہیں سب
چڑیاں کوّے کیسے آئیں / گھر اپنا اب کس پہ بنائیں
پیڑوں کا ہے یہ تو ماتم / چڑیوں کا بھی شامل ہے غم
گھر اپنے ہم ایسے بنائیں / ان کو اپنے بیچ بسائیں
لازم یہ بھی کام ہے کرنا / دانہ، پانی ان کو دینا

عاکف کر کے ان کی خدمت
حاصل ہوگی ہم کو جنت

■

Dr. Razaur Rahman Akif Sambhali
Mian Sarai
Sambhal (UP)
Mob.: 9837826809

عطاء الرحمن طارق

دن ہولی کا

نیا نویلا دن ہولی کا
کیا چمکیلا دن ہولی کا

رنگ رنگیلا دن ہولی کا
نیلا پیلا، دن ہولی کا

مستانوں کی ٹولی آئی
اور ہٹیلا، دن ہولی کا

مستی ہی مستی چھائی ہے
بڑا نشیلا، دن ہولی کا

کھیل تماشے، سوانگ جھمیلے
کرتب لیلا، دن ہولی کا

■

Ataur Rahman Tariq
Vijaya Co-op Hsg Society
Vaishali Nagar
K. K. Road, Mahalaxmi
Mumbai- 400011 (Maharashtra)

اپنی حد میں ہی تم رہو صاحب
ٹھوکریں کھانے سے بچو صاحب
جس میں نقصان، وہ نہ کام کرو
یوں مصیبت سے تم بچو صاحب
آج ہے اور آنے والا کل
بیتے لمحوں سے تم بچو صاحب
خود کو افضل، حقیر سب کو کہے
اس سے دوری سدا رکھو صاحب
جو نئی لائے ہر گھڑی آفت
ساتھ اس کے نہ تم رہو صاحب
اپنی من مانیوں سے دور رہو
رب کے انصاف سے ڈرو صاحب
سچ کو طاقت خدا سے ملتی ہے
جھوٹ لعنت ہے، تم بچو صاحب
ہوتے ہیں زر، زمین اور زن سے
جھگڑے سارے، یہ جان لو صاحب

لوگوں سے خوش مزاجی چاہو گر
بات کڑوی نہ تم کرو صاحب
زندگی کب یہ چھوڑ دے تم کو
حشر کی فکر بھی کرو صاحب
ختم ہوجائے گی پریشانی
ڈٹ کے اس سے سدا لڑو صاحب
علم کی روشنی، بہت افضل
دل پہ لکھ کر عمل کرو صاحب
دور ہوں گے نجیب غم سارے
کام نیکی کے تم کرو صاحب

■

Wakeel Najeeb
Near Lal Urdu School
Mominpura
Nagpur - 440018 (Maharashtra)
Mob.: 9373114213

ضیاء الرحمن جعفری

سائیکل

بولو ایسی کون سواری
لگتی ہے جو سب کو پیاری

نہیں کبھی پٹرول وہ کھائے
ادھر ادھر پر آئے جائے

گھنٹی جس کی ٹن ٹن بجتی
قدم قدم جو چلتی رہتی

جتنا پائیڈل تیز گھمائیں
اتنا آگے بڑھتے جائیں

نہیں ذرا بھی دھواں یہاں پر
نہیں تیل کا کنواں یہاں پر

گھٹ جاتی ہے اس سے دوری
یوگا میں بھی بہت ضروری

نہیں ٹریفک کا ڈر اس میں
بس دو چھوٹی ٹائر اس میں

نہیں جگہ بھی زیادہ لیتی
سب کو رستے یہ دے دیتی

خرچ نہیں کچھ بھی زیادہ ہے
نہیں ہے خطرہ یہ وعدہ ہے

کہاں کبھی کچھ پٹی کھاتی
لے کر صرف ہوا رہ جاتی

ہینڈل جیسے جدھر گھمائیں
وہ اس جانب ہی آ جائیں

ہے کتنے یہ رنگوں والی
لال ہری پیلی اور کالی

نام اب اس کا تم بتلاؤ
کہو سائیکل ٹرافی پاؤ

■

Zeaurrahman Jafri
Hindi Department
Mirza Ghalib College
Gaya - 823001 (Bihar)
Mob.: 9934847941

آیئے! شمع جلاتے ہیں

حصولِ علم کو بچے اگر اسکول جاتے ہیں
فرشتے ان کی راہوں میں ہمیشہ پَر بچھاتے ہیں
مہک اُٹھتا ہے پھر کردار اپنے نونہالوں کا
ملائک آکے ان کے جسم پر خوشبو لگاتے ہیں
وہی بچے بہت ہشیار ہیں، عاقل ہیں، دانا ہیں
سدا اچھی کتابوں سے جو گھر اپنا سجاتے ہیں
بلندی چوم لیتی ہے یقیناً ان کے قدموں کو
جو پانچوں وقت اپنے رب کے آگے سر جھکاتے ہیں
طلب کرنا ہمیں ماں باپ سے تو یاد رہتا ہے
سبق خدمت گزاری کا مگر ہم بھول جاتے ہیں
یقیں کرلیں جہالت کا اندھیرا پھر نہیں ہوگا
اگر ہم اپنے اپنے حصے کی شمع جلاتے ہیں
سکوں پاتا ہے دل بھی، رہنمائی ہم کو ملتی ہے
غزل شاہین کی جب تنہائیوں میں گنگناتے ہیں

■

Manazir Hasan Shaheen
H. No.: Millat Colony
Gaya - 823001 (Bihar)
Mob.: 9661214111

میری مینا

میری مینا ہے پھرتیلی
اس کی بولی بڑی سریلی

کالے کالے پنکھ ہیں اس کے
کتنی پیاری چونچ ہے پیلی

آنکھیں تھوڑی بھوری ہیں پر
لگتی نہیں وہ دور سے نیلی

اپنا کرتب خوب دکھا کر
پاگل کر دیتی ہے رسیلی

پاس سے بچے دیکھ کے اس کو
کر لیتے ہیں پینٹ ہی گیلی

اک دن جب بیمار پڑی وہ
جیسے ہونٹ کو اپنے سی لی

مجھ کو یہ افسوس ہے اختر
رہتی ہے بالکل وہ اکیلی

■

Shamim Akhtar
5, P M Bustee 4th Lane, Shibpur
Howrah - 2 (West Bengal)
Mob.: 9836225704

نظم

ارشاد احمد ارشاد دہلوی

یہ باتیں ہیں ساری بہت کام کی

پڑھو گے تو آگے بڑھو گے میاں
نہیں تو پڑے ہی رہو گے یہاں

کہ جاہل کی عزت نہیں ہے یہاں
اسے رتبہ دیتا نہیں ہے جہاں

تو ہوگا اگر علم سے بہرہ مند
تو ڈالے گا پھر آسماں پر کمند

کرے گا پسند ایک عالَم تمھیں
رکھیں گے سبھی اپنا ہم دم تمھیں

زمانہ بھی عالم کہے گا تمھیں
کہ عزت سے سب کچھ ملے گا تمھیں

نہیں سستی اچھی تمہارے لیے
نہیں وقت رکتا کسی کے لیے

گنوانا نہیں تم کبھی وقت کو
گنوا کر اسے روتے ہیں بخت کو

جگاتی ہیں امّی تمھیں پیار سے
اٹھاتی ہیں امّی تمھیں پیار سے

نہ امّی کو اپنی ستایا کرو
کہ جلدی سے تم اٹھ بھی جایا کرو

اٹھو جلد اٹھ کر یہ پہلے کرو
کہ رب کی عبادت تم اپنے کرو

کرو اپنے ہاتھوں سے خود سارے کام
مہارت بھی ہوگی ہے اس میں بھی نام

اگر علم حاصل ہے کرنا تمھیں
کرو وہ ہی استاد جو کچھ کہیں

بڑوں کی بھی باتوں کو مانا کرو
کہ ہر بات ان کی بھی سمجھا کرو

بھلائی کی کہتے وہ ہر بات ہیں
وہ دیتے نصیحت کی سوغات ہیں

سدا دوست اچھے ہی چن کر رکھو
بروں سے ہمیشہ ہی بچ کر رہو

یہ باتیں ہیں ساری بہت کام کی
سدا ہی تمھارے یہ کام آئیں گی

■

Irshad Ahmad Irshad
House No.: 1206
Gali No.: 39/4, Jafrabad
Delhi - 110053
Mob.: 7011543560

نظم

میری منی

مصباح الدین طارق

میری منی کیسی ہے
بالکل گڑیا جیسی ہے
کالے کالے اس کے بال
غباروں سے اس کے گال
نام ہے اس کا زائرہ بانو
خالہ اس کی عذرا بانو
کوئل جیسی بولی اس کی
پریوں کی سی ٹولی اس کی
اپنی امی کی ہے پیاری
ابا کی ہے راج دلاری
نانا نانی دیکھنے آئے
خوب کھلونے ساتھ میں لائے
منی گڑیا کھیلے گی
سب کا من بہلائے گی
عظمٰی اس کو خوب کھلائے
عذرا دیکھ کے منھ بچکائے
ماموں پڑھنے جائے گا
ساتھ میں ٹافی لائے گا
پڑھ لکھ کر یہ نام کرے گی
اپنے بڑوں کے کام کرے گی

■

Misbahuddin Tariq
Urdu Middile School Narkatiya
V/A: Bodh Gaya
Post: Hathyar
Distt.: Gaya- 824231 (Bihar)
Mob.: 9801996877

انس مسرور انصاری

ماسٹر پیارے لال

ہر آدمی کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسی کہانی ضرور ہوتی ہے جس سے دوسروں کو عبرت اور نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ ماسٹر پیارے لال کی زندگی میں بھی ایک کہانی تھی۔ ایسی کہانی کہ سنو تو دیر تک سوچو۔!

وہ گرام سگرا کے رہنے والے تھے۔ یہ گاؤں شہر سے اٹھارہ کلومیٹر دور مشرق میں پڑتا ہے۔ ماسٹر پیارے لال کو ہم لوگ ماسٹر انکل کہتے تھے۔ اُنھیں اپنے گاؤں سے بڑی محبت تھی۔ وہاں کی ایک ایک چیز کی وہ اس طرح تعریف کرتے گویا سارے بھارت میں اُن کے گاؤں جیسا کوئی گاؤں ہے ہی نہیں۔ اپنے گاؤں کے بارے میں وہ ہم سب کو اتنا کچھ بتا چکے تھے کہ لگتا تھا ہم سب اُن کا گاؤں دیکھ چکے ہیں۔ گرام سگرا کا جغرافیہ، اُس کے کھیت، کھلیان جنگل تالاب، فصلیں، گلیاں، کوچے، راستے، آب وہوا، رہن سہن، رسم ورواج، کھان پان، موسم، صبح، دوپہر، شام، رات، دن وغیرہ۔ اُس گاؤں کی کون سی بات ایسی تھی جو ہمیں معلوم نہ تھی۔

ماسٹر پیارے لال ہمارے پڑوسی تھے۔ اُن کے اور ہمارے گھریلو تعلقات بہت اچھے تھے۔ ابو جان کی اُن سے خوب بنتی تھی، بہت گہری چھنتی تھی۔ دونوں گھنٹوں بیٹھے باتیں کرتے۔ خوشی کی بات یہ تھی کہ ہم بچوں کو اُن کی صحبت میں بیٹھنے کی اجازت تھی۔ میں اور میرا چھوٹا بھائی عمیر اور میری بہن ناظمہ تینوں فرصت کے وقت میں اُن کی مجلس میں شریک رہتے۔ بہت اچھی اچھی باتیں سننے کو ملتیں۔ ابو جان کہتے تھے کہ بڑوں کی صحبت میں بیٹھنے سے زندگی کے بہت سارے تجربوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں جو آگے چل کر بچوں کے بہت کام آتی ہیں۔

ماسٹر انکل آئیڈیل پی، جی، کالج میں میتھ میٹکس کے اُستاد تھے۔ فیزکس اور کیمسٹری میں بھی اُنھیں کافی مہارت حاصل تھی۔ بہت محنت کش تھے۔ شروع ہی سے محنت کرتے آئے تھے۔ روپئے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی۔ ان کے پریوار میں ان کی پتنی جانکی چاچی، سرکاری سروس میں لگے دو بیٹے آدرش اور امن۔ دو بہوئیں اور ایک لڑکی وندنا دیدی تھی۔ وندنا دیدی ابھی ایم، اے کے فائینل ائیر میں تھیں۔ ان کی منگنی ہو چکی تھی۔ پڑھائی ختم ہوتے ہی شادی کا پروگرام تھا۔ گھر کے سارے لوگ پڑھے لکھے، سادہ مزاج اور سلجھے ہوئے دماغ کے تھے۔ سب کے اخلاق بہت اچھے تھے۔ کبھی کسی سے لڑائی نہ جھگڑا نہ تو تو میں میں۔! جس سے بھی ملتے، بڑے خلوص کے ساتھ ملتے۔ من میں چھل کپٹ نام کو بھی نہ تھی۔ اتنا سب کچھ تھا لیکن گھر میں صاف صفائی کے لیے یا بھوجن بنانے کے لیے کوئی نوکر تھا نہ نوکرانی۔ ماسٹر انکل کہتے۔ ”اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے کرنا چاہیے۔ کام دھندہ کرتے رہنے سے صحت اچھی رہتی ہے۔ آدمی کے اندر کاہلی نہیں آتی۔ پیسے کی بچت الگ ہوتی ہے۔“

وہ اپنی اس بات پر خود بھی پابندی کے ساتھ عمل کرتے

اور گھر والوں سے بھی عمل کراتے۔ وہ ٹائم ٹیبل کے بھی بہت پابند تھے۔ اپنے روٹین میں فرق نہ آنے دیتے۔ شام کو تین بجے وہ کالج سے گھر واپس آتے۔ ہلکا پھلکا ناشتہ کرتے۔ کچھ دیر آرام کرتے اور پھر 'آئیڈیل کوچنگ سنٹر' میں پڑھانے چلے جاتے۔ پھر چھ بجتے بجتے ساتھ میں سبزی وغیرہ لے کر گھر آجاتے۔ تب تک ہمارے ابو جان بھی دفتر سے گھر آ کر اُن کا انتظار کرتے۔ ماسٹر انکل آجاتے تو ایک بار پھر چائے اور ناشتے کا دور چلتا۔ یہ روزانہ کا معمول تھا۔ شاید ہی کبھی اس میں ناغہ ہوتا۔ ماسٹر انکل کے آنے میں دیر ہو جاتی تو ابو جان مجھے اور میرے بھائی عمیر اور بہن ناظمہ کو ساتھ لے کر اُن کے گھر پہنچ جاتے۔ اُس دن محفل ماسٹر انکل کے گھر سجتی۔ جانکی آنٹی ہمیں اچھی اچھی چیزیں کھلاتیں۔ اُن کے گھر میں چھوٹے بچے نہیں تھے۔ اس لیے وہ ہمیں بہت پیار کرتیں۔ ہمارے آپس میں سگے سمبندھیوں جیسے تعلقات تھے۔ کسی قسم کا کوئی بھید بھاؤ نہ تھا۔ پورے محلّے میں یہ دو گھر ہندو مسلم بھائی بھائی کا نمونہ تھے۔ تعلیم کی وجہ سے ان دونوں گھروں کے لوگوں کا اثر محلّے بھر میں تھا۔ اس لیے ہر طبقے کے ہندو اور مسلمان بہت میل جول سے رہتے تھے۔

شام ڈھل چکی تھی۔ ابو جان مغرب کی نماز کے لیے وضو بنا رہے تھے۔ ہم بھائی بہن اپنا اپنا ہوم ورک پورا کر چکے تھے۔ امی جان کچن میں تھیں۔ تبھی کال بیل بجنے لگی۔ ٹرن ٹرن..... ٹرن ٹرن.....! ہم سب سمجھ گئے کہ ماسٹر انکل ہیں۔ گھنٹی بجانے کا اُن کا اپنا ایک الگ انداز تھا۔ کبھی مسلسل گھنٹی نہیں بجاتے تھے۔ ٹھہر ٹھہر کر، بجاتے۔ ابو جان نے کہا:

''شہریار! دیکھو، ماسٹر صاحب آئے ہیں۔ انھیں بٹھاؤ۔ اپنی امی سے کہو، چائے بنائیں۔ میں نماز سے فارغ ہو کر آتا ہوں اور ہاں، پکوڑے بھی تلوا لینا۔ تمھارے ماسٹر انکل کو ہمارے گھر کے پکوڑے، بہت پسند ہیں۔''

ہم نے دروازہ کھولا تو ماسٹر انکل کے ساتھ وندنا دیدی بھی تھیں۔ ہم نے انھیں آداب کیا۔ انھوں نے ہمیں دعائیں دیں۔ پھر ہم انھیں لے کر بیٹھک میں آئے۔ وندنا دیدی امی جان کے پاس چلی گئیں۔ چھوٹی بہن ناظمہ بھی کمرے میں آگئی۔ انکل کو آداب کیا۔ انھوں نے بڑی شفقت سے اپنا ہاتھ ناظمہ کے سر پر پھیرا۔

''جیتی رہو بیٹی۔ سدا سکھی رہو۔''

''ماسٹر انکل! آج ہم آپ سے کہانی ضرور سنیں گے۔''

ناظمہ نے ہماری بات کی تائید کی۔

''ہاں، انکل! آپ ہر بار بہانہ بنا دیتے ہیں، مگر میں آج کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔ آپ کو کہانی ضرور سنانی پڑے گی۔''

ناظمہ نے کچھ اس انداز سے کہا کہ ماسٹر انکل ہنس پڑے۔ انھوں نے کہانی سنانے کا وعدہ کیا۔ کچھ دیر بعد ابو جان بھی آگئے۔ پھر چائے آگئی۔ نمکین، کاجو اور ساتھ میں سیب کے قتلے بھی تھے۔ ہم نے سیب کے قتلے کھائے اور چائے نہیں پی۔ ابو جان کہتے تھے کہ چائے بچوں کے لیے زہر ہوتی ہے۔ اس لیے ہم چائے کی جگہ دودھ پیتے تھے۔ چائے، ناشتہ سے فارغ ہو کر ماسٹر انکل نے کہا:

''پیارے بچو! آج میں ایک سچی کہانی سناتا ہوں۔ اس کہانی کا تعلق میری اپنی زندگی سے ہے۔ اس کے بارے میں آپ کے ابو جان بھی بہت کم جانتے ہیں۔ میں نے کبھی ان کو بتایا ہی نہیں۔''

''میں گرام سگرا کے ایک بہت ہی غریب گھر میں پیدا ہوا۔ اسی گاؤں میں پلا بڑھا۔ گاؤں کی پاٹھ شالا میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ میرے ماں باپ بہت غریب تھے۔ اس لیے بچپن ہی سے تعلیم کے ساتھ ساتھ محنت مزدوری میری مجبوری

تھی۔کبھی کھیتوں میں کام کرتا۔کبھی اینٹ بھٹوں میں اینٹیں ڈھوتا۔کبھی لوگوں کی بھینسیں اور بکریاں چراتا۔ جہاں سے بھی چار پیسے مِل جاتے ، وہیں کام کرتا۔ مجھے پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ میں ہر حال میں پڑھ لکھ کر اپنا مستقبل بنانا چاہتا تھا۔ اپنے ماں باپ کو آرام دینا چاہتا تھا۔ وہ بڑی تکلیف میں تھے۔ ہماری اپنی ایک ٹوٹی پھوٹی پھونس کی جھونپڑی تھی۔ ہمارے پاس کھیت نہیں تھے۔ ہم دوسروں کے کھیتوں میں کام کر کے گزارا کرتے تھے۔ کھانے پینے کی بڑی تنگی تھی۔ اماں سدا کی بیمار تھیں۔ انھیں سانس پھولنے کی بیماری تھی۔ شاید ٹی بی ہوگئی تھی۔ پھر بھی وہ کھیتوں میں کام کرنے جاتیں۔ اپنے ماں باپ کی تکلیف سے مجھے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ میں ان کی اکلوتی اولاد تھا۔ جو کچھ کرنا تھا وہ مجھے ہی کرنا تھا۔ بس ایک ہی بات بہت اچھی تھی۔ بھگوان نے مجھے ہمت اور حوصلہ بہت دے رکھا ہے۔ ان کٹھن حالات میں بھی میں کبھی گھبرایا نہیں۔ میں نے حالات کا جم کر مقابلہ کیا اور کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔ اپنی محنت کی وجہ سے میں پاٹھ شالا کے امتحانوں میں ہمیشہ اوّل آتا رہا۔ درجہ آٹھ تک میں نے وہیں تعلیم حاصل کی۔"

"پھر اکبر پور میں مومن انصار انٹر کالج میں داخلہ لیا۔ مجبوری یہ تھی کہ ہمارے گاؤں کا اسکول آٹھ ہی کلاس تک تھا۔ میرے پاس سائکل بھی نہیں تھی اور اکبر پور ہمارے گاؤں سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ میرا ایک دوست چیتن تھا۔ اُس نے اپنی ٹوٹی پھوٹی سائکل مجھے دے دی۔ میں نے اُسے بنوایا اور پھر اُسی سائکل سے روزانہ اکبر پور آنے جانے لگا۔ گاؤں سے کالج اور پھر کالج سے گاؤں، میں روزانہ سولہ کلومیٹر سائکلنگ کرتا۔ پڑھائی میں خوب محنت کرتا۔ محنت کی مجھے عادت تھی۔ اس کے بعد جو وقت بچتا، میں اُسی میں محنت مزدوری کر کے چار پیسے بھی کماتا۔ میرے بابا میری اس محنت اور مشقت سے بہت دکھی ہوتے۔ کیونکہ دوسرے لڑکوں کی طرح میں کھیل کود نہیں پاتا تھا۔ میرے پاس کھیلنے کے لیے وقت ہی کہاں تھا۔ مگر مجھے کوئی دکھ نہ تھا۔ میرے لیے اتنا بہت تھا کہ میں کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہوں۔ کالج کے لیے نکلتا تو دوپہر کے لنچ کے لیے میرے ٹفن میں کبھی اُبلے ہوئے چاول اور ہری مرچ کی چٹنی ہوتی اور کبھی بھنے ہوئے چاول اور گڑ ہوتے اور کبھی کچھ بھی نہیں۔ پھر بھی مجھے بھگوان سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ یوں سمجھو کہ میں بچپن ہی میں جوان ہوگیا تھا۔ بچپن ہی میں میرے اندر کافی سوجھ بوجھ آ گئی تھی۔ سمے ہی میرا گُرو تھا، مجھے سیکھ دیتا تھا۔"

"صبح اور شام کھیتوں، کھلیانوں میں کام کرتا اور دیر رات تک کتابیں پڑھتا۔ میرے گھر میں بجلی نہیں تھی، مگر وہ چراغ جو پڑھائی میں میری مدد کرتا تھا، میرے لیے کسی سورج سے کم نہ تھا۔ میرے ماں باپ کی غریبی میری تعلیم کا خرچ نہیں اُٹھا سکتی تھی۔ اس لیے دسویں کلاس کے بعد میں ٹیوشن کرنے لگا۔ میرے ایک ٹیچر نے مجھے کئی بہت اچھے ٹیوشن دلوا دیے تھے۔ ان سے میری اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ میری پڑھائی آگے بڑھ رہی تھی۔ میرے حالات بدل رہے تھے۔ میرا خواب پورا ہو رہا تھا۔ کالے کالے حروف میں مجھے وِدّیا کی وہ روشنی دکھائی دے رہی تھی جو کم ہی لوگوں کو دکھائی دیتی ہے۔ کہتے ہیں کہ محنت کبھی برباد نہیں جاتی۔ دل میں خلوص ہو تو بھگوان ضرور مدد کرتے ہیں۔ گاؤں کے لڑکے مجھے حسرت کے ساتھ دیکھتے۔ ان کے ماں باپ انھیں غیرت دلاتے کہ دیکھو ایک لڑکا یہ ہے اور ایک تم ہو۔ گاؤں کی پاٹھ شالا میں پڑھنے والے لڑکے میرے پاس آتے اور پڑھائی میں مجھ سے مدد مانگتے۔ مجھے دیکھ دیکھ کر میرے ماں باپ پھولے نہ سماتے۔ ان کے نزدیک میں نے وہ کر دکھایا تھا جو ناممکن تھا۔

مگر میں سمجھتا ہوں کہ ہمت اور حوصلہ ہو تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا۔ میری لگن اور محنت کو دیکھ کر میرے ٹیچروں نے میری بہت مدد کی اور آج میں جو کچھ بھی ہوں وہ سب اپنے اُستادوں کے آشیرواد سے ہوں۔''

بارہویں جماعت تک میں ہر جماعت میں فرسٹ ڈویژن لاتا رہا۔ میرا حوصلہ بڑھتا گیا۔ دوسرے مضامین کے علاوہ میتھ میٹکس، فزکس اور کیمسٹری میرے خاص مضامین تھے۔ میں نے اپنے آپ کو تیار کرلیا تھا کہ تعلیمی سلسلے کو ہر حال میں جاری رکھوں گا۔ اب مجھے آگے بڑھنے اور پڑھنے کے لیے اور بڑے کالج کی ضرورت تھی۔

آزاد پی، جی کالج ہمارے گاؤں سے سات کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ میں نے اپنے ماں باپ کو سمجھا لیا۔ میری کامیابیوں کو دیکھ کر میرے ماں باپ بہت خوش تھے۔ میری ماں مجھے بہت دعائیں دیتیں۔ انھوں نے مجھے آگے بڑھنے اور پڑھنے کی اجازت دے دی۔ میں نے آزاد پی، جی کالج میں داخلہ لے لیا۔ اب مجھے چودہ کلومیٹر کی سائکلنگ روزانہ کرنی پڑتی تھی۔ میری ٹوٹی پھوٹی سائکل نے میرا ساتھ دے کر میری ہمت کو ہمیشہ بحال رکھا۔ میں روزانہ چودہ کلومیٹر سائکل سے آتا جاتا رہا۔

ٹیوشن سے میری جو کچھ بھی آمدنی ہوتی تھی وہ میری پڑھائی کے لیے کافی تھی۔ میں پڑھتا رہا اور آگے بڑھتا رہا۔ تعلیم سے میری دل چسپی اور لگن کی کوئی حد نہیں تھی۔ پھر آزاد پی، جی کالج سے میں نے کیمسٹری میں ایم، اے کیا۔ پھر میں نے پانچ سال اور پڑھا اور اُسی کالج کے ذریعے 'اودھ یونیورسٹی' سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ پھر مجھے اس کالج میں نوکری مل گئی، جہاں آج بھی میں پڑھا رہا ہوں۔''

''میرے بچو! اتنی سی ہے میری کہانی۔ میں نے کبھی وقت کو برباد نہیں کیا۔ تعلیم نے مجھے بتا دیا تھا کہ جو وقت گزر جائے گا وہ پھر کبھی واپس نہیں آئے گا۔ اس لیے میں نے وقت کو خوب استعمال کیا۔ کتابیں آج بھی میری ساتھی ہیں اور کل بھی رہیں گی۔

مجھے کالج میں نوکری مل گئی تو میرے حالات بدل گئے۔ میں نے وہ مکان خریدا جس میں آج ہم لوگ رہتے ہیں۔ اپنے ماں باپ کو اپنے پاس بلالیا۔ پھر انھوں نے آپ کی آنٹی کے ساتھ ہماری شادی کردی۔ ہم سب لوگ ہنسی خوشی رہنے لگے۔ افسوس صرف یہ ہے کہ جب اچھے دن آئے تو میرے ماں باپ بھگوان کے پاس چلے گئے۔ میں ان کی زیادہ خدمت نہ کرسکا۔ اگر میں نے ہمت ہاردی ہوتی تو آج اس مقام پر نہ ہوتا اور آپ جیسے پیارے پیارے لوگ ہمیں کہاں ملتے اور اس وقت کا ناشتہ اور چائے کہاں ملتی۔؟ بچو! کہو، کیسی لگی ہماری یہ کہانی۔ یہ کہانی بالکل سچی ہے اور بتاتی ہے کہ لگن، محنت، حوصلہ، ہمت اور مشقت اور وقت کی قدر کرنے والے ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔ کیسے بھی حالات سامنے آجائیں، انسان کو گھبرانا نہیں چاہیے۔ ہمت، حوصلے اور کتابیں انسان کی بہترین دوست اور مددگار ہیں۔ انھیں سدا اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ ہر رات کے بعد دن اور ہر شام کے بعد صبح ہوتی ہے۔ ہر اندھیرے کے بعد اُجالا اور ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے، جس میں کبھی کوئی بدلاؤ نہیں آتا۔

(تعارف مئی 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Anas Masroor Ansari
Qaumi Urdu Tahreek Foundation
Sakrawal Urdu Bazar, Tanda
Ambedkar Nagar - 224190 (UP)
Mob.: 9453347784

سورج گیا نانی کے گھر

نصرت شمسی

ممایہ اتنے دن سے سورج چاچو کہاں چلے گئے ہیں۔ آہی نہیں رہے۔'' کڑکتی ٹھنڈ اور مما کے نہانے کے اعلان نے علی کو بے چین کر دیا، اب وہ نہانے کے تصور سے ہی کپکپا رہا تھا۔ اس نے منہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا جہاں دور دور تک کہرا چھایا ہوا تھا۔ ٹھنڈ سے دانت جمے جا رہے تھے۔ سورج جیسے کہیں گم ہو گیا تھا۔ کڑاکے کا جاڑا پڑتے آج دسواں دن تھا اور محکمہ موسمیات بتا رہا تھا کہ ابھی دس دن سورج اور غائب رہے گا۔ اس زبردست ٹھنڈ سے ہر چیز سکڑی سمٹی اپنی جگہ ٹھٹھری پڑی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ ہر وقت لحاف میں گھسے رہو۔ اب ایسے میں نہانے کا تصور ہی جان لیوا محسوس ہو رہا تھا۔

''علی چلو پانی تیار ہے بیٹا، نہانے کے لیے اٹھ جاؤ۔'' مما نے علی کے کپڑے غسل خانے میں رکھتے ہوئے آواز لگائی۔

''مما ایک دن اور رک جایئے۔ کل نہلا دینا۔' علی نے لحاف میں منہ چھپاتے ہوئے کہا۔

''نہیں بچہ بہت گندے ہو رہے ہو۔ چلو شاباش اٹھ جاؤ جلدی سے۔

''دیکھو دادو نے انگیٹھی جلائی ہے۔ نہا کر ان کے پاس بیٹھ جانا۔ گرمائی آجائے گی۔''

''مما! لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ سورج چاچو

کہاں کھو گئے ہیں؟''

''علی آ جاؤ بیٹا، میں نہاتے ہوئے سورج کی کہانی سناؤں گی۔ سورج آج کل نانی کے گھر گیا ہوا ہے۔ چلو شاباش! جلدی آ جاؤ۔''

''مما''

علی نے پھر بھرائی ہوئی آواز نکالی ''ٹھنڈ لگ رہی ہے۔''

''علی!''

مما نے زور سے آواز لگائی۔

مما کی ناراضگی والی آواز سن کر علی دوڑتا ہوا غسل خانے تک چلا گیا۔

''مما سورج والی کہانی۔''

''ہاں ہاں بیٹا ابھی سناتی ہوں۔ ذرا گرم پانی کو اپنے پیروں پر ڈالو''

گرم پانی پڑتے ہی علی کو ٹھنڈ لگنا ختم ہو گئی اور مما نے اسے نہلانا شروع کر دیا۔

''ہاں تو بیٹا علی اب بتاؤ سورج چاچو کہاں چلے گئے؟ علی آپ کو میں نے بتایا تھا کہ یہ زمین جس پر ہمارا گھر ہے یہ انڈے جیسی شیپ کی ہے۔ یعنی گول بھی ہے اور تھوڑی لمبی بھی ہے بالکل انڈے کی طرح۔''

جی مما۔''

کپکپاتے ہوئے علی نے جواب دیا اور سر پر لگے شیمپو سے کھیلنے لگا۔

''شاباش! اور زمین کے نیچے ایک لٹو جیسی پھرکی ہوتی ہے۔ جیسے لٹو کو گھما کر چھوڑ دیتے ہیں تو وہ نوک کے سہارے گھومتا رہتا ہے بس اسی طرح ہماری یہ زمین ہر وقت گھومتی رہتی ہے اور یہ تھوڑی ترچھی سی گھومتی ہے۔ مما نے اپنا ہاتھ لائٹ کے آگے سیدھا کیا اور پھر ترچھا کیا اور علی کو دکھایا کہ دیکھو میرے ہاتھ پر لائٹ کیسی پڑ رہی ہے۔''

''مما آپ نے ہاتھ آڑا کر لیا ہے تو لائٹ ہاتھ کے کسی حصے پر آ رہی ہے اور کسی پر نہیں۔ اسے سیدھا کریں تاکہ یہ سب جگہ آ جائے۔''

شاباش! میرا بیٹا بہت سمجھدار ہو گیا ہے۔ بس ایسی ہی زمین چلتی رہتی ہے اور چلتے چلتے ہماری زمین والا حصہ سورج سے دور ہو جاتا ہے۔ تم اس لائٹ کو سورج سمجھ لو اور دیکھو اس کی لائٹ میرے ہاتھ کے جس حصے پر نہیں پڑ رہی ہے تو اس حصے تک سورج نہیں آ پاتا ہے اور پھر کڑاکے کی ٹھنڈ پڑتی ہے اور سورج گم ہو جاتا ہے یا یوں کہہ لو کہ سورج نانی کے گھر چلا جاتا ہے جیسے آپ جاتے ہیں تو پاپا کی نظروں سے دور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ بھی اپنی نانی کے گھر چلا گیا۔ سمجھو کچھ دنوں بعد جب زمین گھومتے گھومتے اوپر کی طرف آ جائے گی تو سورج واپس آ جائے گا اور موسم بدل جائے گا۔ آ گیا سمجھ میں؟''

''جی مما۔ اب میں اپنے دوستوں کو بتاؤں گا کہ سورج اپنی نانی کے گھر گیا ہوا ہے۔ مما ٹھنڈ لگ رہی ہے۔''

''ہاں ہاں علی بس ہو گیا۔ دیکھو آپ نے نہا بھی لیا اور پتہ بھی نہیں چلا۔ چلو اب بھاگو دادو کے پاس اور انگیٹھی کے پاس بیٹھ کر دادو کو سورج کے کھو جانے کی کہانی سناؤ۔''

''ارے سورج نانی کے گھر گیا ہے۔ کھویا کب ہے؟''

علی نے دادو کے کمرے کی طرف دوڑ لگائی جہاں انگیٹھی سے چٹر پٹر شعلے اٹھ رہے تھے اور کمرے کو گرم کر رہے تھے۔

■

Nusrat Shamsi
Anjuman Street
Rampur - 244901 (UP)

دانشمند ساتھی

محمد الیاس

اسکول میں وقفے کی گھنٹی بجی تو سارے بچے اپنی کلاسوں سے نکل کر اسکول گراؤنڈ میں پہنچ گئے، وہاں کھانے پینے کی مختلف قسم کی چیزیں بیچنے والے پہلے سے آجاتے تھے، زیادہ تر بچے ان کے اردگرد جمع ہو جاتے اور خریداری کرتے، لیکن کچھ بچے ایسے بھی تھے جو گھر سے لائے ہوئے ٹفن باکس اور کھانے پینے کی صرف سیل بند اشیا پر ہی یقین رکھتے تھے۔

اِدھر کئی دنوں سے میڈم بچوں کو ہدایت کر رہی تھیں کہ کچھ بچوں کی پنسل، کٹر، ربڑ اور جیومیٹری بکس کا سامان چوری ہو رہا ہے، کئی بچے مجھ سے شکایت کر چکے ہیں یہ بہت بڑی اخلاقی کمزوری ہے، بدتہذیبی کی علامت ہے اور وہ تنبیہ بھی کرتیں کہ اگر مجھے چور کا پتہ چل گیا تو سخت سزا دوں گی اور اسکول سے اس کا نام خارج کرا دوں گی۔ مگر چور بڑا شاطر تھا، اُس کا پتہ ہی نہیں چل رہا تھا، وہ بار بار وارننگ دیتے دیتے تھک گئی تھیں۔

روزانہ عام طور پر یہی ہوتا تھا کوئی وقفے کے دوران بلے اور گیند پر ہاتھ آزما رہا ہوتا، کوئی دوڑ لگا رہا ہوتا تو کوئی اچھل کود میں لگا ہوتا کہ پھر اچانک وقفہ ختم ہونے کی گھنٹی بج جاتی اور پھر سارے بچے اپنی کلاسوں میں چلے جاتے۔

فہیم بھی اسکول کا طالب علم تھا، جب سے میڈم نے کلاس میں چوری کی بات بتائی تھی وہ وقفے کے دوران کھیلتا بھی تھا اور ساتھ ہی اپنے کچھ ساتھیوں کی سرگرمیوں پر نظر بھی رکھنے لگا تھا جن کی سرگرمیاں اس کو کچھ دنوں سے مشکوک نظر آ رہی تھیں۔ مگر اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، معاملہ کیا ہے؟ کون اور کس وقت بچوں کے بیگ سے سامان چوری کر لیتا ہے؟

ایک دن اچانک اپنا ٹفن باکس لینے کے لیے جب وہ اپنی کلاس میں جا رہا تھا تو باہر سے ہی اس کی نظر شانو پر پڑ گئی جو کسی دوسرے بچے کے بیگ سے کچھ نکال رہا تھا۔ بس اُس کی سمجھ میں آ گیا کہ چور کوئی اور نہیں بلکہ شانو ہی ہے۔ وہ الٹے پاؤں واپس آ گیا اور خود بخود سرگوشی کے طور پر باتیں کرنے لگا ”اچھا تو یہ بات ہے اسی لیے اب کچھ دنوں سے شانو پہلے سپاری اور پھر پان مسالہ کھانے لگا ہے اور بعد میں ایسے لوگوں کو جب پان مسالے سے تسکین نہیں ہوتی تو گٹکا کھانے لگتے

ہیں، منھ سے بدبو آنے لگتی ہے اور لوگ ایسے شخص سے بات کرنا پسند نہیں کرتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شانو کو جو روپے اسٹیشنری خریدنے کے لیے ملتے ہیں ان سے پان مسالہ کھا لیتا ہے اور اسٹیشنری دوسرے بچوں کی چرا لیتا ہے۔''

اس دن اُس نے اپنے ٹفن باکس میں سے کچھ نہیں کھایا، اُس نے شانو کی شکایت کرنے کے بجائے اُسے راہِ راست پر لانے کے لیے ایک انوکھی تدبیر کی۔

دوسرے دن فہیم اپنا ٹفن باکس لے کر شانو کے پاس گیا، پیار سے اُس سے کہا کہ یار شانو آج میں اپنا ٹفن باکس تمھارے ساتھ مشترک کرنا چاہتا ہوں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ میرا ناشتہ تم ہی کر لو، میں اِس میں سے کچھ نہیں کھاؤں گا۔

شانو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فہیم آج اس سے اتنے پیار سے کیوں بات کر رہا ہے حالانکہ وہ اس کے ساتھ کبھی کبھی کھیلا کرتا تھا، لیکن کبھی ساتھ میں کھاتا پیتا نہیں تھا۔ اس نے حیرت سے پوچھا اس محبت کی وجہ کیا ہے؟ تو فہیم نے کہہ دیا کہ بس میرے دل کی خواہش ہے۔

لیکن پھر بھی کیوں؟

آج کچھ کھانے کو میرا جی نہیں چاہ رہا ہے، اس لیے چاہتا ہوں کہ اپنے ٹفن باکس کے انڈے پراٹھے تمھیں ہی کھلا دوں۔ اس میں کیا غلط بات ہے آخر تم میرے ساتھی ہو، مجھے تم سے محبت ہے۔

''اچھا ٹھیک ہے'' شانو اس کے لیے تیار ہو گیا۔

فہیم نے اپنا ٹفن باکس کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا جس میں کل کا کھانا تھا اور اس میں سے بدبو آ رہی تھی۔ شانو یہ دیکھ کر بگڑ گیا اس نے کہا ''یہ کیا مذاق ہے تم مجھے کل کا بدبودار خراب کھانا کھلانا چاہتے ہو۔''

''نہیں دوست میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ نفیس، صاف ستھرا اور صحت بخش کھانا کھاؤ۔''

''تو پھر یہ خراب کھانا مجھے پیش کرنے کی وجہ کیا ہے؟ تم چاہتے ہو کہ میں صحت بخش کھانا کھاؤں اور مجھے خراب کھانا پیش کر رہے ہو، کیا اس طرح تم مجھے ذلیل نہیں کر رہے ہو؟

''نہیں بالکل نہیں، میں تمھیں ذلیل نہیں کر رہا ہوں اور نہ ہی تمھارے ساتھ کوئی مذاق کر رہا ہوں، میں تو تمھارا ہمدرد ہوں اور ہمیشہ تمھارا بھلا چاہتا ہوں، برا تو میں کسی کا بھی نہیں چاہتا، میں نہیں چاہتا کہ اسکول سے تمھارا نام خارج کر دیا جائے۔''

''مطلب'' شانو نے حیرت سے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ کل جو حرکت تم نے کی ہے اس سے مجھے یہ پتہ چل گیا ہے کہ کلاس روم میں جو چوریاں ہو رہی ہیں وہ تم ہی کرتے ہو۔'' فہیم نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

شانو سمجھ گیا کہ میرا بھانڈا پھوٹ چکا ہے اگر فہیم چاہے تو میرا نام اسکول سے خارج کیا جا سکتا ہے، اسکول سے میرا نام خارج کیا گیا تو میرے ساتھ میرے والدین کے لیے بھی بدنامی کا باعث ہوگا کہ ان کے بیٹے کو چوری کے الزام میں اسکول سے نکالا گیا ہے لہٰذا اب تو فہیم کی خوشامد کر کے اپنا داخلہ بحال رکھنے میں ہی خیریت ہے۔

''دیکھو فہیم میڈم کے سامنے میرا راز فاش نہ کرنا ورنہ میں اسکول سے نکالا جاؤں گا اور میرے والدین بھی بدنام ہو جائیں گے، میں تمھارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں تمھارے پاؤں پکڑتا ہوں۔ فہیم! پلیز میری لاج رکھ لینا''۔ شانو نے انکساری اور خوشامد کے لہجے میں کہا۔

''دیکھو شانو! پہلی بات تو یہ کہ ہاتھ جوڑ کر التجا کرنا اور پاؤں پکڑنا ہماری تہذیب نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے مذہب میں چوری کی بڑی سخت سزا ہے، اور تیسری بات یہ کہ کسی کا راز فاش کرنا بھی گناہ ہے اگر وہ اپنی بری حرکت

چھوڑنے کا وعدہ کرے۔ اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ میں ایسی حرکت کبھی نہیں کروں گا تو میں تمھارا راز فاش نہیں کروں گا۔

''میں تمھارا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا، بس میرا نام اسکول سے خارج نہ کرانا۔ میں کبھی ایسا کام نہیں کروں گا۔'' شانو کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو تھے۔

''میں جو آخری اور سب سے اہم بات تم کو بتانا چاہتا تھا وہ ابھی تک نہیں بتائی اور وہ یہ کہ میں نے باسی اور خراب کھانا تمھیں کھانے کے لیے پیش کیا تو تمھیں کتنا برا لگا جب کہ آدمی کسی دوسرے کی چیز چوری بھی کر لیتا ہے یا دوسروں کا پیسہ بلا تکلف کھا جاتا ہے۔ وہ ناجائز روپیہ یا دوسرے کی چیز اس کھانے سے زیادہ گندھی سے آلودہ ہوتی ہے بلکہ سچ پوچھو تو غلاظت سے آلودہ ہوتی ہے، دوسرے کی چیز چرا کر جو اپنا پیسہ تم نے بچایا پھر اس سے کوئی چیز خرید کر کھائی، کس قدر گندگی اس میں شامل ہو گئی اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے، اسی کو دوسرے الفاظ میں حلال اور حرام کہتے ہیں، کیا تم حرام گوشت کھانا پسند کرو گے؟''

''نہیں بالکل نہیں'' شانو شرمندگی سے سر جھکائے جھکائے کھڑا تھا۔ سر جھکائے جھکائے اس نے کہا کہ میں حلال اور حرام کا مطلب ہی نہیں جانتا تھا، تمھارا بہت شکریہ تم نے مجھے راہِ راست دکھا دی۔

ٹھیک ہے شانو تم میرے ساتھی ہو اور رہو گے۔ فہیم نے شانو کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ ......اور پھر کبھی کلاس روم میں کسی کے سامان کی چوری نہیں ہوئی۔

■

Dr. Mohd Ilyas
385, Peetal Basti
Moradabad- 244001 (UP)
Mob.: 9412838085

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ / منی آرڈر.................................. بتاریخ..................................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in , فیکس: 011-26108159 فون: 011-26109746

دستخط

مثالی دوستی

عبدالناصر

بات پرانے زمانے کی ہے جب آج کی طرح لوگوں کے ہاتھ میں موبائل فون نہیں ہوا کرتے تھے اور نہ ہی بچے ان پر گیمز اور کارٹون دیکھتے تھے۔فرصت کے اوقات میں وہ اپنی دادیوں اور نانیوں سے ایسے قصے سنتے تھے جو حقیقت اور سچائیوں پر مبنی ہوا کرتے تھے۔ ایسی کہانیوں میں باطل پر حق کی جیت اور ظالموں کا انجام ان پر سزائے الٰہی کی صورت میں ہوتا تھا۔کچھ کہانیاں الف لیلی کی کہانیوں پر بھی مشتمل ہوتی تھیں جبکہ کچھ لوک کہانیاں بھی ہوا کرتی تھیں جن میں دیووں، پریوں اور جناتوں کی کہانیاں شامل ہوتی تھیں۔ یہ کہانیاں ہزاروں سال سے سینہ بہ سینہ چلتی ہوئی عوام میں کافی مقبول تھیں۔

بچو! آج میں تمھیں ایک ایسی کہانی سنانے جا رہا ہوں جو دو جنگلی جانوروں کی ہے اور وہ ایک دوسرے سے حقِ دوستی نبھانا خوب جانتے ہیں۔ان میں ایک بندر اور دوسرا ہاتھی ہے جنھوں نے اپنی مثالی دوستی کو بخوبی نبھایا اور ساری زندگی خوش و خرم رہے۔

کسی مقام پر ایک وسیع اور کشادہ جنگل تھا وہاں ہاتھیوں کا ایک جھنڈ رہا کرتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد وہاں بندروں کا ایک جھنڈ بھی آ گیا اور اس نے وہیں ڈیرہ جما لیا۔جنگل کی پر سکون اور کھلی فضا میں رہنے سے یہ ہر قسم کے غم و فکر سے آزاد تھے۔ ہاتھیوں کا جھنڈ جنگل کے پیڑ پودوں کو کھاتا اور دریا کے پانی سے اپنی پیاس بجھاتا پھر ایک بڑے برگد کے پیڑ کے نیچے رات کو سو جاتا تھا جبکہ بندروں کا جھنڈ جنگلی پھلوں کو کھا کر اپنی دنیا میں مگن رہتا۔

بندروں کے جھنڈ میں ایک نو جوان بندر کافی شوخ و چنچل تھا۔ وہ اکثر دوسرے جانوروں کے ساتھ بھی موج مستی کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ایک دن وہ ہاتھیوں کے سردار کے پاس پہنچا اور بولا:

’’چچا جان! کیا آپ مجھے اپنی سواری کرائیں گے؟‘‘

ہاتھیوں کا سردار اس وقت نہایت خوشگوار موڈ میں تھا اس نے کہا’’ کیوں نہیں؟ آؤ میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ۔‘‘

اجازت ملتے ہی بندر ایک ہی جست میں ہاتھی کی پیٹھ پر جا بیٹھا۔ پھر ہاتھی اسے آگے لے کر چلا۔ بندر کو ہاتھی کی سواری میں بڑا مزہ آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ہاتھی سے دریا کے کنارے چلنے کی فرمائش کی جسے ہاتھی نے قبول کر لیا اور دونوں دریا کے کنارے جا پہنچے۔ وہاں پہنچ کر ہاتھی نے بندر سے کہا بندر بھائی تم ذرا یہاں بیٹھو میں دریا سے غسل کر کے آتا ہوں۔

بندر دریا کے کنارے ریت پر بیٹھ گیا اور ہاتھی دریا میں

اتر گیا۔ اس وقت موسم کافی خوشگوار تھا۔ اس لیے ہاتھی کو پانی میں تیرنے میں مزہ آنے لگا۔ وہ پانی میں لوٹ پوٹ کرنے لگا۔

ایک گھنٹہ یونہی گزر گیا تب بندر کو واپسی یاد آئی۔ بندر چاہتا تو خود ہی چھلانگیں مارتا ہوا چلا جاتا مگر اس نے ہاتھی سے دوستی کرنے کا ارادہ کرلیا تھا اس لیے اس نے ہاتھی کو پانی سے جلد باہر آنے کے لیے کہا۔ کچھ دیر بعد جب ہاتھی پانی سے باہر نکلا تو وہ کافی ہشاش بشاش تھا۔ اس نے بندر کو پھر اپنی پیٹھ پر سوار کرلیا اور دونوں ہنسی خوشی لوٹ آئے۔

اسی دن سے بندر اور ہاتھی میں پکی دوستی ہوگئی۔ جھنڈ کے دوسرے ہاتھیوں نے بھی بندر اور ہاتھی کی دوستی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وقت گزرتا رہا۔ ایک دن بندر کو ندی کے اس پار جانے کی خواہش ہوئی۔ تاکہ وہ اس علاقے کی سیر کرسکے۔ اپنی خواہش کا بندر نے ہاتھی سے ذکر کیا جسے ہاتھی نے قبول کرلیا۔

مقررہ وقت پر دونوں دریا کے کنارے پہنچے۔ بندر ہاتھی کی پیٹھ پر اچھل کر بیٹھ گیا اور دونوں دریا پار کرنے لگے۔ ہاتھی نے اس موقع پر بندر کو تنبیہ کی کہ بیچ دریا سے گزرتے وقت بندر کوئی بیوقوفی نہ کرے ورنہ وہ تیز دھارے میں بہہ جائے گا۔ بندر نے جھٹ وعدہ کرلیا کہ وہ ایسا کبھی نہ کرے گا۔

جب دونوں دریا سے گزر رہے تھے تو پانی میں کچے پھل بہتے نظر آئے۔ بندر اس کو دیکھ کر للچانے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ بھی تیر کر ان پھلوں کو پکڑ لے۔ مگر اسے تیرنا بالکل نہیں آتا تھا۔ دوسرے وہ ہاتھی کی ہدایت کی وجہ سے خاموش رہا۔

اب دونوں دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ بندر لپک کر ایک پیڑ پر چڑھ گیا اور پھلوں کو کھانے لگا۔ اسے آج بہت مزہ آرہا تھا۔ یہ پھلوں کا باغ تھا۔ بندر پھلوں کا شوقین تو تھا ہی اس لیے کبھی یہاں تو کبھی وہاں کبھی اس پیڑ پر تو کبھی اس پیڑ پر اچھل کود کرتا رہا۔ جب کافی دیر ہوگئی تو ہاتھی نے اسے واپس لوٹنے کے لیے کہا۔

اب دونوں دریا پار کر رہے تھے کہ اچانک بندر کو دریا میں ایک مگرمچھ نظر آیا۔ مگرمچھ کے آرے جیسے دانت کو دیکھ کر بندر گھبرا گیا۔ اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور وہ دریا میں گر کر ڈوبنے لگا۔ دوسری جانب مگرمچھ بھی بندر کو پکڑنے کے لیے قلابازی کھانے لگا۔ اچانک ہاتھی کو دھیان آیا کہ بندر اس کی پیٹھ پر نہیں ہے اس لیے اس نے اسے تلاش کرنا شروع کردیا۔ قریب تھا کہ مگرمچھ بندر کو اپنا لقمہ بنالے کہ ہاتھی نے اپنی سونڈ کی مدد سے مگرمچھ کو دور بھگا دیا۔ تھوڑی سی مشقت کے نتیجے میں بندر کی جان بچ گئی۔ اب بندر کو یہ سمجھ آگئی تھی کہ اسے ہاتھی کے مدد کی سخت ضرورت تھی۔

اس واقعے کے بعد سے بندر اور ہاتھی میں گہری دوستی ہوگئی لیکن یہ بات ایک لومڑی کو بالکل پسند نہیں آئی۔ وہ دونوں میں پھوٹ ڈالنے کا موقع تلاش کرنے لگی۔

ایک دن لومڑی بھولی صورت بنا کے بندر کے پاس آئی اور بولی۔

''بھائی بندر تم بڑے ہوشیار جانور ہو اور جنگل کے تمام پیڑوں پر بڑی پھرتی سے چڑھ اور اتر سکتے ہو۔ لیکن تمھارا دوست ہاتھی یہ سب کچھ نہیں کرسکتا بلکہ وہ روزانہ پیڑوں اور پودوں کو اکھاڑتا اور کچلتا رہتا ہے۔ بہتر ہے کہ تم اس سے دوستی چھوڑ دو ورنہ میں دیکھتی ہوں کہ ایک دن یہ گھنا جنگل ویران اور چٹیل میدان میں تبدیل ہو جائے گا۔ پھر ہم لوگوں کا یہاں رہنا مشکل ہوجائے گا۔''

بندر بڑا ہوشیار تھا۔ پہلے تو وہ لومڑی کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا لیکن اس کی عیاریوں سے وہ کافی واقف تھا۔ اس نے کہا کہ ''بی لومڑی ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ آخر ہم سبھی اتنے عرصے سے اس جنگل میں زندگی بسر کرتے آرہے ہیں لیکن یہ جنگل

ابھی تک سر سبز ہے۔ تم بیکار میرا مغز چاٹنے آگئی ہو۔ جاؤ اپنا کام کرو۔ مجھے اس وقت تمھاری بکواس سننے کی فرصت نہیں ہے۔''

لومڑی مایوس ہوکر وہاں سے پلٹی اور چند دنوں کے بعد ہاتھی کو بندر سے بدگمان کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ایک صبح جب ہاتھی اپنی غذا کی تلاش میں نکلا تو اس سے راستے میں ملی اور بولی:

''ہاتھی بھائی! آداب۔ آج صبح صبح کہاں چلے؟''

ہاتھی نے جواب دیا کہ میں اس وقت غذا کی تلاش میں جارہا ہوں۔

''لیکن آج آپ کا دوست بندر نظر نہیں آرہا ہے؟ آخر وہ کہاں ہے؟'' لومڑی بولی۔

ہاتھی نے اپنے جسم سے مچھر بھگاتے ہوئے کہا۔ ''آخر بتاؤ کہ تمھیں اس کی یاد کیوں آرہی ہے؟''

لومڑی نے اس وقت خود کو معصوم بناتے ہوئے کہا۔ ''ہاتھی بھائی جنگل کے تمام جانوروں میں آپ کا ڈیل ڈول کافی بڑا ہے لیکن آپ نے ایک معمولی اور بے وقوف بندر سے کیوں دوستی کر رکھی ہے۔ وہ پورے جنگل میں گھوم گھوم کر پھل کھاتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ آپ کی پیٹھ پر سوار ہوکر دریا پار کے باغوں میں بھی چلا جاتا ہے اور وہاں باغ کے مالکوں کو نقصان پہنچاتا رہتا ہے۔ آپ اسے دریا پار سیر کرانے مت لے جایا کیجیے۔''

ہاتھی نے اپنی چھوٹی سی آنکھوں کو گھمایا اور اپنی سونڈ سے لومڑی کو پکڑنے کا اشارہ کیا۔ ڈر کے مارے لومڑی دم دبا کر وہاں سے بھاگ گئی۔ ابھی وہ بھاگ ہی رہی تھی کہ کھجور کا ایک بڑا کانٹا اس کے پیر میں چبھ گیا اور وہ لنگڑانے لگی۔ اس طرح اسے اپنے کیے کا پھل مل گیا۔

اسی بیچ لومڑی کو جنگل میں ایک مردہ خرگوش نظر آیا۔ بھوکی تو تھی ہی جھٹ اسے کھانے کے لیے دوڑ پڑی لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ یہ کھانا اس کی زندگی کا آخری کھانا ثابت ہوگا۔ اصل میں وہ خرگوش زہریلی چیز کھانے سے مرا تھا اسے کھاتے ہی لومڑی کو سخت پیاس لگی اور وہ پیاس سے تڑپنے لگی، پھر بے جان ہوگئی۔ زہر نے اپنا اثر دکھا دیا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد جنگل میں کچھ شکاری ہاتھی کو پکڑنے کے لیے آئے۔ انھوں نے زمین میں بڑے بڑے گڈھے کھود رکھے تھے تاکہ جب ہاتھیوں کا جھنڈ ادھر سے گزرے تو ان میں گر پڑے اور وہ انھیں پکڑ کر لے جاسکیں۔

اتفاق سے جب شکاری آپس میں منصوبہ بنا رہے تھے تو یہ بندر بھی وہیں کہیں پیڑ کی ٹہنی پر بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے جھٹ ہاتھی کو جا کر یہ سب کچھ بتلا دیا ساتھ ہی شکاریوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے بارے میں بھی بتلا دیا کہ وہ جنگل کے مشرقی حصے میں خیمہ لگائے بیٹھے ہیں۔

اس خبر کو پاکر ہاتھیوں کے سردار نے جھنڈ کے تمام ہاتھیوں کو جمع کیا اور انھیں لے کر شکاریوں کے خیمے کی جانب چلا اور وہاں جا کر اس زور سے چیخا کہ سارے شکاری مارے خوف کے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ ان میں سے ایک شکاری کو اپنی سونڈ میں پکڑ کر ہوا میں اچھال دیا۔ پھر کیا ہوا؟ یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن اتنا ضرور ہوا کہ پھر شکاریوں کی کسی ٹیم کو ادھر آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

اب ہاتھی اور بندر خوشی خوشی جنگل میں رہنے لگے۔ ہر طرح کا ڈر اور خوف ختم ہوگیا۔

■

Abdul Naseer
Vill.: Pakthoul, Po.: Khizer Chak
Via. Barauni
Distt.: Begusarai - 851112 (Bihar)

عبدالمجید مکرو

محنت

پرانے زمانے کی بات ہے ایک ملک کے باشندے بہت ہی کاہل اور کام چور تھے۔ وہ کوئی کام کاج نہیں کرتے تھے۔ دن بھر سونا پانے کی امید میں زمین کھودتے تا کہ مالا مال ہو جائیں۔ برسوں تک وہ اسی طرح زمین کھودتے رہے لیکن انھیں کچھ نہ مل سکا۔

یہی وجہ تھی کہ اس ملک کے باشندے بہت پریشان رہتے کیونکہ وہاں کا بادشاہ دولت چاہتا تھا اور دولت نہ ملنے کے سبب اس کا مزاج چڑچڑا اور غصیلا ہو گیا تھا۔

ایک دن وہاں سے ایک نوجوان کا گزر ہوا جو بہت ہنس مکھ اور ذہین تھا۔ وہ اسی راستے سے ایک گیت گاتا جا رہا تھا۔ جہاں سونا حاصل کرنے کے لیے لوگ زمین کھود رہے تھے۔

جب ان لوگوں نے اسے دیکھا تو بولے ”گانا مت گاؤ۔ ہمارا بادشاہ بہت ہی غصیلا ہے وہ تمھیں قتل کروا دے گا۔“

نوجوان ہنس کر بولا۔ ”مجھے اس کی پروا نہیں ہے لیکن تم مجھے اپنے بادشاہ کے پاس لے چلو“ لوگوں نے زمین کھدائی بند کر دی اور اس آدمی کو لے کر بادشاہ کے پاس جانے لگے۔

راستے میں انھوں نے اس سے پوچھا تمھارا نام کیا ہے؟

”مزدور“ اس آدمی نے جواب دیا۔ تم گیت کیوں گا رہے تھے۔ اس نے جواب دیا ”کیونکہ میں بہت خوش ہوں۔“ انھوں نے پوچھا ”تم خوش کیوں ہو۔“ اس نے بتایا ”میرے پاس بہت سونا ہے۔ اتنا سنتے ہی سب لوگ خوشی سے اچھل پڑے۔

انھوں نے بادشاہ کے پاس لے جا کر اسے ساری بات بتا دی۔ بادشاہ نے اس آدمی سے پوچھا ”کیا یہ سچ ہے کہ تمھارے پاس بہت سارا سونا ہے۔“ ، ”ہاں“ نوجوان نے جواب دیا۔ میرے پاس سونے کی سات بوریاں ہیں۔ بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس آدمی کے ساتھ جا کر سونے کی ساتوں بوریاں لے آؤ۔

بادشاہ کا حکم سن کر نوجوان نے کہا ”سونے کو لانے میں کافی وقت لگے گا کیونکہ وہ ایک ایسے غار میں رکھا ہوا ہے جس کی دیکھ بھال سات دیو کر رہے ہیں۔ آپ اپنے ان آدمیوں کو میرے ساتھ ایک سال تک رہنے کی اجازت دیں، اس عرصے میں ہم وہ سونا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

نوجوان کی بات ماننے کے علاوہ بادشاہ کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس لیے بادشاہ نے اپنے بہت سے آدمی گھوڑے

اور بیل اس نوجوان کے ساتھ بھیج دیے اور جاتے وقت اس کو ہدایت کی اگر تم سال کے آخر تک سونا لانے میں ناکام رہے تو تمھارا سر دھڑ سے الگ کر دیا جائے گا۔

اس نوجوان نے ان لوگوں کو سلطنت کی زرخیز زمین جوتنے کے لیے کہا جب زمین تیار ہوگئی تو اس نے زمین میں گیہوں کے بیج بوئے۔ ایک سال بعد فصل تیار ہوگئی تو اس نے اس کی کٹائی کرائی جس کے بعد اس کے پاس منوں گندم جمع ہوگئی جسے گھوڑوں پر لدوا کر وہ بادشاہ کے سپاہیوں کو ساتھ لے کر محل کی طرف روانہ ہوا۔

چلتے چلتے وہ لوگ ایسے مقام پر پہنچے جہاں قحط پڑا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کے باشندوں نے وہ سارا گیہوں ہاتھوں ہاتھ خرید لیا۔ اس کے بدلے میں اس ذہین نوجوان کو سونے کی سات بوریاں مل گئیں، جنھیں لے کر وہ بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا۔

اسے دیکھ کر بادشاہ نے اس سے پوچھا ''کیا تم سونا لے آئے'' نوجوان نے مسکرا کر جواب دیا ''اجی ہاں، میں نے گیہوں بیچ کر سونا حاصل کیا ہے'' اس کے ملازموں نے جب اسے پوری کہانی سنائی تو وہ بہت خوش ہوا، لیکن اسے اپنی غلطی کا احساس بھی ہوا۔ اس نے اپنی رعایا کو کھیتی باڑی کرنے کا حکم دیا۔ کچھ سالوں کے بعد ہی ملک میں خوشحالی کا دور شروع ہوگیا تو اس نے نوجوان کو دوبارہ اپنے دربار میں طلب کیا اور اس سے کہا ''ہم تمھارے بہت شکر گزار ہیں تم نے ہمیں ایک نئی راہ دکھائی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ہی ساتھ رہو۔''

نوجوان نے بادشاہ کی بات سن کر کہا کہ ''اس دنیا میں ابھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو محنت کی عظمت کو نہیں سمجھتے ہیں۔ مجھے ان کے پاس جا کر انھیں بھی راہ راست پر لانا ہے۔ مجھے افسوس ہے میں یہاں نہیں رک سکتا ہوں۔ بادشاہ نوجوان سے بہت خوش ہوا اور نوجوان کو بے شمار تحفے تحائف دے کر رخصت کیا۔

■

Abdul Majid Makrow
S/O Mr Abdul Gani Makrow
R/O, Arwani, Kulgam
District: Anantnag, Islamabad
H/P/O, Anantnag, Via Bijbehara
Kashmir - 192124 (J&K)
Mob.: 8999964508

کہانی

نصیر رمضان

دوستی

"**ابو!** کل سے میں اسکول نہیں جاؤں گا" میرے بیٹے احمد نے تقریباً بستہ ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "ارے، کیوں بھئی کیا ہوا؟" میں نے دیوار پر لگے کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جہاں دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔ اسکول سے چھٹی ہو گئی تھی۔ احمد نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ منہ پھلا کر میرے پاس آ بیٹھا۔ "ارے بھئی بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے۔ کیا ماسٹر صاحب نے مارا.....؟"

"نہیں..." احمد نے روٹھے سے انداز میں جواب دیا۔

"تو پھر..." میں نے اس کو پچکارا۔ "وہ...سورج ہے نا جو میری کلاس میں پڑھتا ہے" احمد نے کہا

"تو..." میں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اس نے آج پھر میرا کھانا کھا لیا...بھکّڑ کہیں کا" احمد نے کہا۔

"پھر کیا ہوا بیٹا وہ تمھارے ساتھ ہی تو پڑھتا ہے، اگر اُس نے تمھارے لنچ بکس میں سے کچھ لے لیا تو کوئی بات نہیں" میں نے پیار سے سمجھایا۔ "وہ اپنا لنچ بکس نہیں لاسکتا ہے کیا؟" احمد نے تنگ کر کہا۔

"کوئی بات نہیں کل تم اس کے لنچ بکس میں کھا لینا" میں نے کہا۔

"وہ اپنا لنچ بکس کبھی نہیں لاتا" احمد نے غصے سے کہا۔

"اچھا...کل میں تمھارے اسکول آؤں گا۔ تمھارے ماسٹر سے بات کروں گا...ٹھیک ہے!"

میں نے اسے ٹال دیا۔ "اور... اور میری ربڑ، پنسل بھی بستے میں سے نکال لیتا ہے" احمد نے مزید شکایت کی۔

"اچھا...اچھا میں کل دیکھ لوں گا" میں نے کہا۔

اِتنے میں اس کی امی کمرے سے باہر آ گئی۔ "اجی آپ اِس کی کیا سنتے ہیں... یہ تو روز اِسی طرح کی شکایتیں کرتا ہے، ویسے اگر آپ کل جائیں گے تو پتا کرنا کون بچہ ہے جو احمد کو تنگ کرتا ہے؟"

نماز کا وقت ہو گیا تھا میں نے اٹھتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے..."

اگلے روز میں احمد کے اسکول جانے کے ایک گھنٹے بعد اس کے اسکول جا پہنچا۔ اسکول پاس ہی تھا، اس لیے تقریباً سارے ماسٹر مجھے جانتے ہی تھے۔ میں احمد کے انچارج سے ملا اور انھیں مختصراً بتایا۔ انھوں نے فوراً ایک لڑکے کو بلایا اور ساتھ میں احمد کو لانے کو کہا۔ کچھ دیر بعد دونوں آ گئے۔

"کیا یہی ہے لڑکا؟" انچارج صاحب نے احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی سر..'' احمد نے تصدیق کی۔ ''سورج...خبردار جو آئندہ تمہاری شکایت آئی'' اِنچارج نے اُسے جھڑکا۔ ''ارے... نہیں نہیں ماسٹر جی میرا مطلب یہ نہیں تھا میں تو صرف جاننا چاہتا تھا کہ ایسا کیوں کرتا ہے یہ بچہ'' میں نے دخل اندازی کی ''تم لوگ جاؤ بیٹا''

وہ دونوں اپنی اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گئے۔ احمد مایوس تھا شاید وہ امید کر رہا تھا کہ سورج کو مار پڑے گی۔

میں انچارج کو ایک طرف لے گیا۔ انچارج نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مجھے بھی کُرسی پیش کی ''کیا بتاؤں رمضان صاحب ...سورج اور اُس جیسے دو تین اور بچے ہیں غریب گھروں کے۔ والدین مزدوری کرتے ہیں مگر اِتنا پورا نہیں پڑتا کہ روزمرہ کی ضرورتوں کو پورا کر سکیں، اکثر میں جیب سے اِن بچوں کو کاپی پنسل لے کر دیتا ہوں یا پھر آپ جیسے کسی ہمدرد سے بستہ اور وردی کا اِنتظام کروا دیتا ہوں'' اِنچارج نے تفصیل سے بتایا۔ ''کوئی بات نہیں ماسٹر جی آپ آئندہ بھی مجھ سے کہہ دینا'' کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد میں وہاں سے اُٹھ آیا۔

گھر آ کر میں نے احمد کی ماں کو بتایا۔ اُس نے بھی ہمدردی جتائی۔ دوسرے روز احمد کے اسکول جانے کے فوراً بعد میں اسکول کے گیٹ پر جا پہنچا۔ ابھی بچے آ رہے تھے۔ میری نظریں سورج کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ مجھے پتا تھا کہ وہ دو محلے چھوڑ کے اسکول آتا ہے جیسا کہ کل اِنچارج نے بتایا تھا۔ اچانک مجھے سورج آتا دکھائی دیا جیسے ہی وہ نزدیک پہنچا میں نے اُسے آواز دی۔

''سُورج... یہاں آؤ'' وہ مجھے دیکھ کر گھبرایا ''ڈرو نہیں بیٹے یہاں آؤ'' میں نے اُسے تسلی دی۔ وہ میرے پاس آ گیا۔ میں نے ہاتھ میں پکڑے دو پیکٹ اسے دیتے ہوئے کہا ''اِس میں ایک پیکٹ احمد کے لیے اور دوسرا تمھارا ہے۔ اس میں ٹافیاں اور بسکٹ ہیں...سمجھے'' اُس نے میری طرف نا سمجھی کے عالم میں دیکھا۔ میں نے مزید کہا ''بیٹے یہ تم نے احمد کو اپنی طرف سے دینا ہے اور کچھ نہیں کہنا ہے... ٹھیک ہے...''

''جی...'' اُس نے کہا اور اسکول کے اندر چلا گیا۔ اُس نے ایک بار پلٹ کر میری طرف دیکھا، اُس کے چہرے پہ مجھے ہلکی سی خوشی نظر آئی۔ دوپہر کو کھانا کھاتے ہوئے میں نے کلاک کی طرف دیکھا ایک بجنے والا تھا۔ احمد کی چھٹی ہونے والی تھی۔ کچھ دیر کے بعد اچانک دروازہ کُھلا اور احمد لگ بھگ دوڑتا ہوا میری طرف آیا ''ابو جی ...ابو جی'' اس نے بستہ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی کیا ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

ابو جی ...وہ سورج ہے نا... پتا ہے اس نے آج کیا کیا!'' میں نے انجان بن کر پوچھا'' کیا...؟'' اُس نے آج مجھے گفٹ دی'' احمد نے خوشی سے کہا۔

''ہوں... تو تمھاری دوستی سورج سے ہو گئی'' میں نے اُسے چھیڑا ''جی ابو...وہ بہت اچھا ہے، اب وہ میرا دوست بن گیا ہے'' احمد نے کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹے، اب اُس سے لڑنا نہیں اور اگر وہ کھانے کی کوئی چیز مانگے تو دے دینا۔

ٹھیک ہے...'' میں نے اُس کو پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

''جی ابو، اب میں اپنا لنچ بکس بھی اُسے دوں گا''

''ارے نہیں، آدھا دینا ورنہ...تمھاری امی خفا ہوں گی'' یہ سُن کر احمد ہنسنے لگا۔

■

Mohd Naseer Ramzan
HN - 445, Mohalla : Chormaran
Maler Kotla - 148023 (Punjab)
Mob : 9988236310

محمد قاسم صدیقی

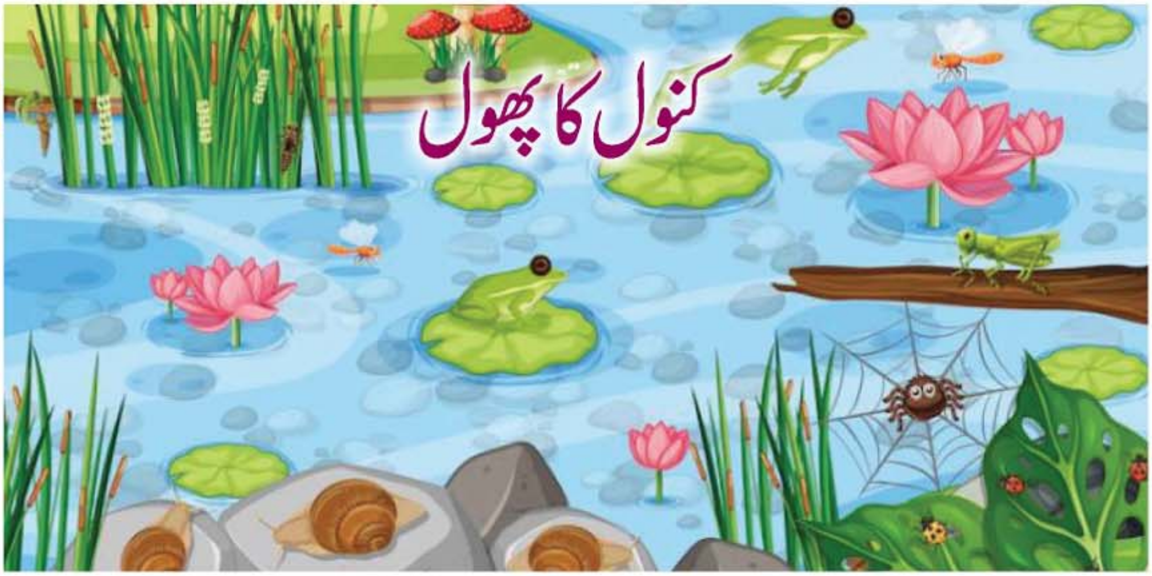

کنول کا پھول

آج کل جو پردیش اڑیسہ کہلاتا ہے ایک زمانے میں یہ جنگلوں سے گھرا ہوا تھا اور ان جنگلوں کا ایک راجا تھا۔ یہ بات بھی بہت پرانی ہے۔ راجا شکار کا بہت شوقین تھا لیکن وہ بڑا نیک تھا اور ہمیشہ دوسروں کی مدد کیا کرتا تھا۔ ایک دن جب راجا شکار کو گیا تو اس نے دور سے ایک جنگلی ریچھ دیکھا۔ راجا اس کے پیچھے دوڑا۔ ریچھ آگے آگے اور راجا پیچھے پیچھے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ راجا گھنے جنگلوں میں پھنس گیا اور راستہ بھول گیا۔ اب راجا شکار کو تو بھول گیا، راستہ تلاش کرنے میں لگ گیا۔ راستہ تلاش کرتے کرتے وہ دوسری طرف جا نکلا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ بہت بڑی جھیل ہے اور جھیل کے اندر ایک بہت ہی خوبصورت کنول کا پھول کھلا ہوا ہے۔ جھیل کے کنارے ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا وہ بہت اداس دکھائی دیتا تھا۔ راجا اس کے پاس گیا اور بولا:

''اے بھئی تم اس قدر چپ چاپ کیوں بیٹھے ہو۔ تمھیں کیا دکھ ہے۔ کیا میں تمھاری کچھ مدد کر سکتا ہوں'' اس آدمی نے غصے سے جواب دیا'' جاؤ جاؤ اپنا کام کرو کیا تم راجا ہو جو ہر ایک کی مدد کرتا ہے، میں اپنی مصیبتوں کا بوجھ تم پر کیوں ڈالوں۔ میں اگر کچھ کہوں گا تو اوروں کی طرح تم بھی ہنسو گے اور پھر اپنے راستے پر چل پڑو گے۔''

راجا نے اس سے کہا ''نہیں، میں اوروں کی طرح نہیں ہوں میں تمھاری مدد کروں گا۔'' اس آدمی کو جب اس کا یقین ہو گیا تو اس نے اپنی کہانی سنانی شروع کر دی۔

''میرا نام جسونت ہے میں کالنگا کے راجا کا بیٹا ہوں، بچپن سے مجھے پوجا پاٹ کا شوق ہے۔ محل میں رہنا مجھے پسند نہ تھا۔ میں شروع ہی سے ایسی سادہ زندگی گزارنا چاہتا تھا اسی لیے ایک دن کسی سے کچھ کہے بغیر میں نے محل چھوڑ دیا اور مقدس مقامات کی سیر کرنے نکل کھڑا ہوا۔ اسی دوران میں یہاں پہنچا۔ میں تھک چکا تھا اس جھیل کو دیکھ کر میں رک گیا۔ میں نے پیڑ کے نیچے تھوڑی دیر آرام کیا۔ جب میں اٹھا تو میں نے دیکھا جھیل کے بالکل بیچ میں ایک کنول کا پھول کھلا ہوا ہے۔ یہ پھول بہت ہی خوبصورت تھا۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں اس سے خوبصورت پھول کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس پھول میں ایک ہزار پتیاں ہیں اور ہر پتی الگ الگ رنگ کی تھی۔ اسے دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور اسے

توڑنے کے لیے آگے بڑھا۔ میں جیسے جیسے ہاتھ بڑھاتا رہا پھول بھی آگے بڑھتا رہا۔ میں نے اسے توڑنے کا پکا ارادہ کرلیا۔ شام ہوتے ہوتے یہ دور ہوتا گیا۔ رات کو میں پیڑ پر سونے لگا۔ اس وقت سے میں برابر اس کی تلاش میں ہوں ہر آٹھویں روز وہ پھول پانی کے اوپر کھلتا ہے۔''

راجا نے اس کی کہانی سنی اور اس سے کہا ''تم مت گھبراؤ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں یہ پھول تمھیں لا دوں گا'' وہ وہیں رہا۔ آٹھویں روز کنول کا پھول پھر کھلا۔ راجا بھی اس پھول کی خوبصورتی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے دعا کی اور ہمت کرکے جھیل میں کود پڑا۔ جھیل میں قدم رکھتے ہی اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک نئی دنیا میں پہنچ گیا ہے۔ اس کے پاؤں پانی کی بجائے زمین کو چھونے لگے اور اس نے اپنے آپ کو ایک بہت ہی خوبصورت شہر میں پایا۔ سامنے ہی ایک بڑا شاندار محل تھا۔ راجا محل کے اندر گیا۔ محل میں داخل ہوتے ہی ہر طرف سے خوشبو پھیلنے لگی۔ باغ میں ہر جگہ پھول ہی پھول کھل رہے تھے وہاں ایک جھیل تھی اور اس جھیل میں اس قسم کے سیکڑوں کنول کھلے ہوئے تھے۔ یہ تمام کنول اسی طرح کے تھے جیسا راجا نے اس جھیل میں دیکھا تھا۔ ابھی راجا ان پھولوں کو دیکھ کر حیران ہی ہو رہا تھا کہ اتنے میں کسی نے اسے دیکھ لیا اور شور مچایا۔ ہر طرف سے راجا کو گھیرا جانے لگا۔ راجا کھڑا مسکراتا رہا جیسے ہی یہ فوج راجا کو پکڑنے آئی راجا نے لڑنا شروع کردیا اور سب کو ایک ایک کرکے ہرا دیا۔ یکا یک ایک خوبصورت لڑکی چاروں طرف سے لڑکیوں سے گھری ہوئی بڑی شان سے آگے بڑھتی ہوئی آئی۔ اس نے کہا:

''تم کون ہو؟ تمھارے پاس ایسی کیسی طاقت ہے کہ تم یہاں تک آگئے اور تم نے میری فوج کو بھی ہرا دیا۔''

راجا نے کہا ''میں بھی کہیں کا راجا ہوں۔ دوسروں کی مدد کرنا میرا دھرم ہے۔ جھیل کے کنارے ایک راجکمار بیٹھا ہوا ہے۔ وہ صرف اس لیے دکھی ہے کہ اسے وہ کنول نہیں مل سکا جو ہر آٹھویں روز جھیل میں کھلتا ہے۔ اس نے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے اور وہ اس پھول کو حاصل کرنے کے لیے بے چین ہے۔ مجھے آپ ایک کنول دے دیں تاکہ اس کا دکھ دور کرسکوں میں نے اس سے وعدہ کرلیا ہے کہ اسے یہ پھول ضرور دوں گا۔''

راجکماری سوچتی رہی اور پھر بولی ''یہ محل آپ ہی کا ہے۔ آپ کا جب جی چاہے آپ یہاں آئیں اور جو لے جانا چاہیں لے جائیں، یہ محل اور اس کی دولت اس کی ہے جو ہمت والا ہو اور یہاں تک پہنچ سکے۔'' یہ کہہ کر راجکماری نے وہ پھول اسے دے دیا۔

راجہ نے پھر غوطہ لگایا اور وہ جھیل میں اوپر چلا آیا۔ سیڑھیوں پر راجکمار اس کا انتظار کر رہا تھا۔ راجا نے اسے پورا قصہ سنایا۔ راجکمار نے قصہ سنا تو اسے لالچ آئی اس نے کہا ''میں نے تمھیں راستہ دکھایا ہے اور میری وجہ سے ہی وہ محل تمھیں ملا ہے مجھے بھی اس میں سے حصہ دو۔''

''مجھے کسی دولت اور محل کی ضرورت نہیں۔ میں نے یہ سب کام تمھارے لیے ہی کیا تھا۔ اگر تم بھی اس کی دنیا میں داخل ہوسکو تو یہ سب کچھ تمھیں بھی مل سکتا ہے۔

ایک بہادر اور سچے آدمی کے لیے کوئی چیز بھی ناممکن اور مشکل نہیں ہے۔''

یہ کہہ کر راجا گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے راستہ پر چل دیا۔

(اڑیسہ کی لوک کتھا)

■

ماخذ: بھارت کی لوک کتھائیں (پہلا حصہ)
مصنف: محمد قاسم صدیقی، **چوتھی اشاعت:** 2010
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

اشتیاق بچھرایونی

خواب

اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس نے آج تک کبھی خوابوں کی دنیا نہیں بسائی، سپنوں کے حسین جزیروں کی سیر نہیں کی، تو یہ دعویٰ اتنا ہی بے بنیاد ہوگا جیسے کسی کا یہ کہنا کہ اس نے کبھی چاند کی حسین چاندنی نہیں دیکھی، چڑھتے اترتے سورج کا نظارہ نہیں کیا!

ہمارے سپنے خوب صورت بھی ہوتے ہیں اور بھیانک بھی۔ خواب کی حالت میں کبھی ہم مسکرا اٹھتے ہیں، کبھی ہماری آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی ہم بری طرح دہشت زدہ ہو کر چیخ کر اٹھ بیٹھتے ہیں۔ یہ کیفیتیں ہم پر دراصل خواب کی نوعیت کے مطابق طاری ہوتی ہیں۔ اگر ہمارا خواب حسین ہوتا ہے، جس میں ہم اپنی فتح اور مرادمندی دیکھتے ہیں تو ہم خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور اگر ہمارا خواب ڈراؤنا، خوف ناک اور ہیبت انگیز ہوتا ہے تو ہم خواب ہی میں بری طرح گھبرا جاتے ہیں۔ یہ خواب خوف کبھی کبھی چیخ مارنے اور رونے چلانے کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

کبھی آپ نے یہ بھی غور کیا کہ آخر ان خوابوں کی حقیقت کیا ہے؟ شاید نہیں۔ خوابوں کی کئی وجہیں بتائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہماری اپنی زندگی کے حالات ہی خواب کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ عام طور پر بیتی ہوئی باتیں اور گزری ہوئی یادیں ہمارے سپنوں کو آباد کرتی ہیں۔ ہمارے تجربے، مشاہدے اور کبھی کبھی محض سنی سنائی باتیں ہمارے خوابوں کا محل تعمیر کرتی ہیں۔ ان باتوں میں ہمارے تصور اور تخیل کو بھی بے حد دخل ہے۔ ہمارے تصور کی اڑان عام زندگی میں جتنی اونچی اور دوررس ہوگی، ہمارے خواب بھی اسی قدر عجیب وغریب، غیر حقیقی اور اصلیت سے پرے نظر آئیں گے۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ سوتی ہوئی حالت میں ہمارے آس پاس کی بہت سی آوازیں اور کیفیتیں ہمارے خوابوں کا تانا بانا بنتی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ہمارے سرہانے ٹائم پیس رکھی ہوئی ہو، تو اس کی ٹک ٹک کی دھیمی آواز ہتھوڑوں کے دھماکے بن کر ہمارے سپنوں پر چھا سکتی ہے، چادر کی کھڑکھڑاہٹ، دریا کی لہروں کا شور معلوم ہو سکتی ہے۔ کسی ایک بچے کا رونا پوری بھیڑ کی چیخ و پکار کی شکل اختیار

کرسکتا ہے۔ اس قسم کے خواب عام طور پر اس وقت نظر آتے ہیں جب ہم نے دیر سے کھانا کھایا ہو یا ایسا کھانا کھایا ہو جو ثقیل اور دیر ہضم ہو۔

کچھ لوگوں کی یہ بھی رائے ہے کہ وہ مسئلے جو ہماری زندگی میں بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور جو حل نہیں ہو پاتے، وہ بھی خواب کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ خواب میں بڑی آسانی سے حل بھی ہوجاتے ہیں۔ اگر وہ خواب میں بھی حل نہ ہونے والا مسئلہ بنے رہتے ہیں تو ان کے بارے میں خواب بار بار دکھائی دیتے ہیں۔

کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جنھوں نے خوابوں کی تعبیر مذہبی نقطۂ نظر سے کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قدرت خوابوں کے ذریعے ہم پر اپنے چھپے ہوئے رازوں کا انکشاف کرتی ہے۔ ایسی باتیں جو مستقبل میں ہونے والی ہوتی ہیں، کبھی صاف طور پر اور کبھی محض اشاروں میں ہی خواب میں دی جاتی ہیں۔ عام لوگ ان کا صحیح مطلب نہیں سمجھ سکتے، لیکن نیک لوگ ان کی اشارتی اہمیت جان لیتے ہیں اسی لیے آپ لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ کچھ لوگ خوابوں کی تعبیر بتاتے ہیں۔ اکثر یہ تعبیریں سچ بھی ثابت ہوتی ہیں— یہ ایک حقیقت ہے اور اس سے انکار کرنے کی قطعی گنجائش نہیں کہ پیغمبروں اور بزرگوں کو ایسے ہی خواب دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ان کی تعبیروں کو آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔ نہ صرف سمجھ لیتے ہیں بلکہ بہت سی باتیں لوگوں کو بھی بتادیتے ہیں۔

کچھ لوگ اور بھی ہیں جن کا کہنا ہے کہ ہماری وہ خواہشیں اور آرزوئیں جو پوری نہیں ہوتیں، خواب کا روپ دھار لیتی ہیں، ہاں تصور اور تخیل کی قوت ان کی شکل یقیناً بہت حد تک بدل دیتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک دبلا پتلا اور کمزور بچہ جو عام طور پر اپنے ساتھیوں کی مار پیٹ کا نشانہ بنتا ہے، خواب میں اپنے آپ کو بہت تندرست، توانا اور تیز وطرار دیکھتا ہے۔ دس دس بچوں سے وہ لڑتا ہے اور سب کو مار گراتا ہے، ان کے نرغے سے نکل بھاگتا ہے۔ کبھی کبھی معمولی سی چھلانگ لگا کر پیڑ پر چڑھ جاتا ہے۔ کبھی اڑنے لگتا ہے تو کبھی آن کی آن میں بڑے سے بڑے دریا کو پار کرلیتا ہے۔ خواب میں اس کی حیثیت 'ہیرو' جیسی ہوتی ہے، اس کی صاف وجہ یہی ہے کہ روزمرہ کے حالات میں اس کی اس خواہش اور آرزو کی تکمیل نہیں ہوپاتی کہ وہ اپنے ساتھیوں سے ان کی مار پیٹ کا بدلہ لے سکے۔ اس کی یہ دبی ہوئی خواہش خواب کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے، جس میں وہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے بہ آسانی کرگزرتا ہے۔ سپنوں کے حسین جزیروں میں بیٹھ کر وہ اپنے آپ کو شہنشاہ سمجھتا ہے، ہر چیز اس کی اپنی ہوتی ہے اور ہر بات پر اسے پوری پوری قدرت حاصل ہوتی ہے۔

آپ کے ذہن میں یقیناً یہ سوال بھی ابھرا ہوگا کہ ہمارے تمام خواب تو ہمارے اپنے تجربوں اور مشاہدوں پر مبنی نہیں ہوتے کبھی کبھی ہم بالکل نئی چیزوں کے خواب دیکھتے ہیں، جن کا ہماری زندگی میں کبھی گزر نہیں ہوا۔ مثال کے طور پر آپ بمبئی کی سیر کرنے کے آرزومند ہیں کسی وجہ سے آپ وہاں جانے سے قاصر ہیں۔ آپ کی یہ آرزو اور خواہش دب کر رہ جاتی ہے۔ سوتے میں آپ دیکھتے ہیں کہ آپ بمبئی پہنچ گئے ہیں، خوب سیر ہورہی ہے۔ یہاں بھی کچھ تجربہ اور مشاہدہ ہے، کچھ تصور کی کارفرمائی۔ ریل کا سفر آپ نے پہلے کیا ہی ہوگا۔ آپ کا تجربہ خواب میں کام آیا۔ ریل میں بیٹھ کر آپ بمبئی پہنچ گئے۔ آپ نے اس سے پہلے کسی بڑے شہر کو دیکھا ہوگا۔ ہوٹل دیکھ رکھے ہوں گے۔ شہر کی سڑکوں سے آپ آشنا ہیں ہی۔ پھر لوگوں سے بمبئی کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور سنا ہوگا۔ وہاں کی تصویریں دیکھی ہوں گی، دریا دیکھا ہوگا۔ ان تمام تجربوں

اور سنی سنائی باتوں نے آپ کے اس خواب کے تانے بانے بن دیے۔ تصور نے اپنا جادو دکھایا۔ سڑکوں نے ذرا اور بڑی شکل اختیار کرلی۔ ہوٹلوں نے بمبئی کے بڑے بڑے ہوٹلوں کا روپ دھار لیا۔ تخیل نے ان کو بمبئی کے نام سے منسوب کردیا۔ دریا ذرا بڑی شکل اختیار کرکے کسی حد تک سمندر بن گیا۔ یوں آپ کے تصور اور تخیل نے آپ کے پچھلے تجربوں، مشاہدوں اور سنی سنائی باتوں میں حسین رنگ بھر کے آپ کو بمبئی کی سیر کرا ہی دی۔ اگر آپ گاؤں کا خواب دیکھتے تو کبھی اس میں بڑے بڑے ہوٹل لمبی چوڑی سڑکیں، فلک بوس عمارات نہ آتیں، وہاں تو آپ کو ہرے بھرے کھیت، چھوٹی موٹی پگڈنڈیوں، خوش رنگ باغات، کھلی فضائیں اور پنگھٹ پر پانی بھرتی ہوئی عورتیں ہی نظر آتیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر آپ نے بھی جہاز میں بیٹھ کر سفر نہیں کیا ہے، آپ نے اس کی تصویر بھی نہیں دیکھی ہے، کبھی لوگوں سے اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا ہے اور نہ تصور کیا ہے تو کسی بھی حالت میں آپ جہاز کو خواب میں نہیں دیکھ سکتے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ آپ کا دماغ ہر وقت کام کرتا رہتا ہے، چاہے آپ سو رہے ہوں یا جاگ رہے ہوں۔ نفسیات کے ماہروں نے ایک آلہ بنایا ہے، جس کے ذریعے سوتے میں دماغ کی حرکات کا نقشہ اتارا جاسکتا ہے۔ ذہن کا عمل لہروں کی شکل میں کاغذ پر اتر آتا ہے۔ اس آلے میں دو برقی چھڑیں ہوتی ہیں، ان کو انسان کے دماغ کی دو رگوں پر فٹ کردیا جاتا ہے۔ یہ آلہ اپنا کام شروع کردیتا ہے اور دماغی کیفیت کی بھرپور تصویر ہمارے سامنے پیش کردیتا ہے— اس کا نام ہے الیکٹرو این سیفیلو گراف۔

نیند کے دوران میں ہم پورے وقت یکساں طور پر گہری نیند نہیں سوتے۔ نیند میں برابر اتار چڑھاؤ ہوتے رہتے ہیں۔ ایسی نیند میں بھی جسے گھوڑے بیچ کر سونا کہتے ہیں، یہ اتار چڑھاؤ آسانی سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ تجربوں سے پتہ چلا ہے کہ ہم تقریباً پہلے ڈیڑھ گھنٹے تک گہری نیند سوتے ہیں۔ اس وقت الیکٹرو این سیفیلو گراف پر لمبی لمبی لائنیں جو بہت زیادہ پھیلی ہوئی اور کشادہ ہوتی ہیں کھنچ جاتی ہیں۔ اس کے بعد آدھے گھنٹے کے لیے نیند کا زور کم ہوجاتا ہے۔ اس دوران میں لائنیں یا لہریں کم لمبی اور آس پاس بکھری سی نظر آتی ہیں۔ زیادہ کشادگی ان کے درمیان نہیں ہوتی۔ اس آدھے گھنٹے کے وقفے کے بعد پھر گہری نیند شروع ہوجاتی ہے اور ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہتی ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک اس طرح چلتا رہتا ہے جب تک آپ سوتے رہیں۔ ہمارے خواب اسی وقت ہماری زندگی میں داخل ہوتے ہیں جس وقت ہماری نیند ہلکی، اچٹتی ہوئی اور کم گہری ہوتی ہے۔ اس ڈیڑھ گھنٹے کے دوران میں جب ہم گہری نیند کے آغوش میں ہوتے ہیں۔ خواب نہیں دکھائی دیتے۔ وہ تو صرف اسی وقفے کے دوران میں نظر آتے ہیں جب ہم ہلکی نیند میں ہوتے ہیں، یعنی آدھ گھنٹے کے دوران میں۔ یوں تو ہم بڑے لمبے لمبے خواب بھی دیکھتے ہیں جن کا تسلسل ایسا لگتا ہے کہ مدتوں کا سفر طے کرلیتا ہے، لیکن ان سے ہمیں اس غلط فہمی میں نہیں پڑنا چاہیے کہ ہم کئی کئی گھنٹوں کے خواب دیکھتے ہیں۔ جس طرح ہم مہینوں اور برسوں کی مسافت کو گھنٹوں اور منٹوں میں تیز رفتار ہوائی جہاز کے ذریعے طے کرلیتے ہیں، کچھ اسی قسم کا عمل ہمارے ان خوابوں میں بھی ہوتا ہے۔ طویل سے طویل اور لمبے سے لمبا خواب بھی ہم صرف چند لمحوں میں دیکھتے ہیں۔

■

ماخذ: ماہنامہ 'کھلونا'، نئی دہلی، **نگراں:** یوسف دہلوی، **مدیران:** یونس دہلوی، ادریس دہلوی، الیاس دہلوی، دسمبر 1964

محمد اکرام

گنبد کا جادو

رحیم رضا کا تعلق مہاراشٹر کے کھرنی پورہ، بیاول ضلع جلگاؤں سے ہے۔ ان کا اصل میدان شعبۂ تعلیم و تدریس ہے، رحیم رضا نے ڈاکٹر ذاکر حسین اردو ہائی اسکول و جونیئر کالج بیاول میں پرنسپل کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دی ہیں۔ اب وہ ملازمت سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ رحیم رضا ایک ادیب کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔ خاص کر ادب اطفال ان کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ ادب اطفال کے تعلق سے اگر موجودہ منظرنامے پر نگاہ ڈالی جائے تو ان کا شمار صف اول کے ادیبوں میں ہوتا ہے۔ اس وقت ان کی خاص توجہ بچوں کے ادب پر مرکوز ہے، ادب اطفال کے تئیں ان کی دلچسپی اور خدمات کو دیکھتے ہوئے ادارہ بال بھارتی اپنی نصابی کتب کی تیاری میں ان سے مدد اور صلاح و مشورہ لیتی رہی ہے۔

رحیم رضا نے بچوں کے ذوق کا خیال رکھتے ہوئے اچھی اچھی کہانیاں اور بہت پیاری پیاری نظمیں لکھی ہیں۔ بچوں کے لیے ان کی کتابیں: معصوم محبت (کہانیاں 2005)، پھول پھول خوشبو (نظمیں، 2007)، سواری بادل کی (کہانیاں، 2012)، جھل مل کرتے تارے (نظمیں، 2013) اور زیر نظر کتاب 'گنبد کا جادو' بہت مشہور ہیں۔

رحیم رضا نے بچوں کے ساتھ بڑوں کے لیے بھی کتابیں لکھی ہیں، جن میں رنجش ہی سہی (افسانوں کا مجموعہ 2002)، عکس بر عکس (افسانچے 2011)، افسانے کی تلاش (منتخب افسانے 2017)، آبشار (ماہیے 2018) اور گرداب (افسانے) کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

زیر نظر کتاب 'گنبد کا جادو' میں زندگی آموز کہانیاں: حقانی القاسمی، رحیم رضا کی کہانیاں زندگی کی سچی عکاس ہے: عبدالحی، اظہار تشکر: رحیم رضا، تعارف (رحیم رضا)، دو لفظ بچوں سے کے علاوہ 12 کہانیاں شامل ہیں جن کے نام: میزبانی، قلفی والے چاچا، ساجد میاں کی شرارتیں، دانش نے افطار کروایا، گنبد کا جادو، کھوکھلا مینار، لفظوں کی مہک، دوستی کا حق، جادو کی چھڑی، نابینا مسیحا، نیا سورج نئی صبح، کڑوا سچ ہیں۔

رحیم رضا نے ان کہانیوں میں بچوں کی ذہنی سطح کا خیال رکھتے ہوئے آسان اور عام فہم الفاظ استعمال کیے ہیں۔ چونکہ یہ خود ایک مدرس ہیں اس لیے انھیں بچوں کی صلاحیت اور ذہنی استعداد کا بخوبی علم ہے، ان کے پسند و ناپسند اور ذوق و شوق کا انھیں بھرپور اندازہ ہے۔ اس لیے ان کی کہانیوں میں اچھے اور برے کی تمیز، غلط اور صحیح راستے کی تلقین، حق و باطل کے درمیان فرق کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ مستقبل میں بچوں کی جائز خواہشات اور آرزوؤں کی تکمیل کے سارے سامان موجود ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کہانیوں کو پڑھنے سے بچے اپنے اندر پائے جانے والے عیوب کو دور کر کے اچھے، مہذب اور تعلیم یافتہ انسان بن سکتے ہیں۔ بچوں کی ضروریات کی تکمیل کے لیے انھوں نے افادی اور معلوماتی کہانیاں تحریر کی ہیں، ان کے مطالعے سے بچوں کی ذہن سازی میں بھی مدد ملے گی اور ان کے اندر ایک جوش اور جنون پیدا ہوگا۔ کچھ کہانیاں ناصحانہ اور واعظانہ انداز کی ہیں۔ کچھ کہانیوں میں بچوں کو محنت اور جانفشانی کی ترغیب بھی دی گئی ہے، تلفظ کی درست ادائیگی اور خود اعتمادی پر زور ہے۔ کرداروں کے درمیان مکالمہ بھی آسان اور دلچسپ ہے۔ گویا ان کہانیوں میں وہ سارے لوازمات موجود ہیں جو بچوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں۔ رحیم رضا کی کہانیوں کے تعلق سے مشہور ادیب اور ناقد حقانی القاسمی نے یوں اظہار خیال کیا ہے:

"رحیم رضا اس رمز سے آگاہ ہیں کہ حیات و کائنات کے حقائق کی تفہیم کا سب سے مؤثر وسیلہ کہانیاں ہیں۔ اس لیے دادی نانی اماں کی کہانی سنانے کی زبانی تکنیک کو تحریری تکنیک میں زندہ رکھنا ضروری ہے کہ کہانیوں سے ہی بچوں کی شخصیت کی تعمیر، تشکیل، ذہنی ارتقا، کائنات اور کلچر سے آگہی، مختلف مذاہب، تہذیب، مقامات اور طرزِ معاشرت کو جاننے کا سلسلہ جڑا ہوا ہے۔"

یہ سچ ہے کہ بچوں کے سمجھانے کے لیے کہانیوں کی زبان سے

عمدہ اور موثر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بچے کلاس میں خشک موضوعات سے اکتاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ وہ لطیفے، چٹکلے، قصے کہانیاں اور اسلاف کی تاریخی اور پرجوش کہانیاں سننے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس مناسبت سے کہانی 'میزبانی' کا یہ ٹکڑا بڑا دلچسپ ہے:

''پتہ نہیں آج نعیم سر کے انگریزی کے پیریڈ میں کون سے ٹیچر آئیں گے؟ کسی نے کہا مجھے لگتا ہے کل واجد سر آئے تھے اور انھوں نے کہا تھا کہ اگر میں دوبارہ الاٹمنٹ کے پیریڈ پر آیا تو پہلے سبق کے مشکل الفاظ کے معنی اور مشقی سوالات پوچھوں گا آپ لوگ تیاری کر کے آنا۔''

''ہاں یار... خدا کرے آج واجد سر نہ آئیں۔ میں کل اسکول چھوٹتے ہی خالہ کے گھر چلا گیا تھا۔ رات دیر سے لوٹا اور...

ساجد کی بات مکمل کرنے سے پہلے جواد نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

بات صرف تمھاری نہیں ہمارے زیادہ تر ساتھی الاٹمنٹ میں گپ بازی کرنا جانتے ہیں یا پھر لطیفے، کہانیاں وغیرہ سننا چاہتے ہیں، کوئی بھی پڑھ کر نہیں آیا ہوگا۔ کاش ضیا سر آجائیں۔ وہ ہمیشہ تاریخی واقعات سناتے ہیں اور اسلاف کی بہادری و دانش مندی کے قصے سناتے ہیں، بڑا مزہ آتا ہے۔''

اس کہانی میں ضیافت کا بہت موثر انداز میں بیان ہے۔ عربوں کی ضیافت کے قصے پوری دنیا میں مشہور ہیں کہ وہ اپنے مہمان کی ضیافت میں اپنی سب سے عزیز ترین چیز کو بھی قربان کر دیتے تھے۔ اس کہانی میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی اپنی فوج کی شکست کو دیکھتے ہوئے ڈر اور خوف سے بھاگتا ہوا غلطی سے دشمن فوج کی چھاؤنی میں پہنچ گیا۔ وہ بھوک و پیاس سے نڈھال تھا۔ اس نے عرب فوج کے سپاہی کو دیکھ کر اس سے مدد مانگی۔ باجود اس کے کہ وہ ان لوگوں کا دشمن ہے، اس کی بھرپور ضیافت کی اور اس کو اس کی منزل تک پہنچنے میں بھی مدد کی۔

دوسری کہانی 'قلفی والے چاچا' میں کفایت شعاری کی تعلیم اور فضول خرچی سے بچنے کی ترغیب ہے۔ اس کہانی میں قلفی والے چاچا کا کردار بہت دلچسپ اور نصیحت آموز ہے، جو اپنے پاس مہنگی قلفیاں ہونے کے باوجود اپنے بیٹے کی فرمائش پر اسے سب سے سستی والی قلفی دیتا ہے۔ 'ساجد میاں کی شرارتیں' میں بچوں کے بیجا لاڈ پیار سے بچنے کی ترغیب ہے۔ والدین کو بچوں کے تعلق سے حساس رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کے بچوں کے تعلق سے کوئی شکایت

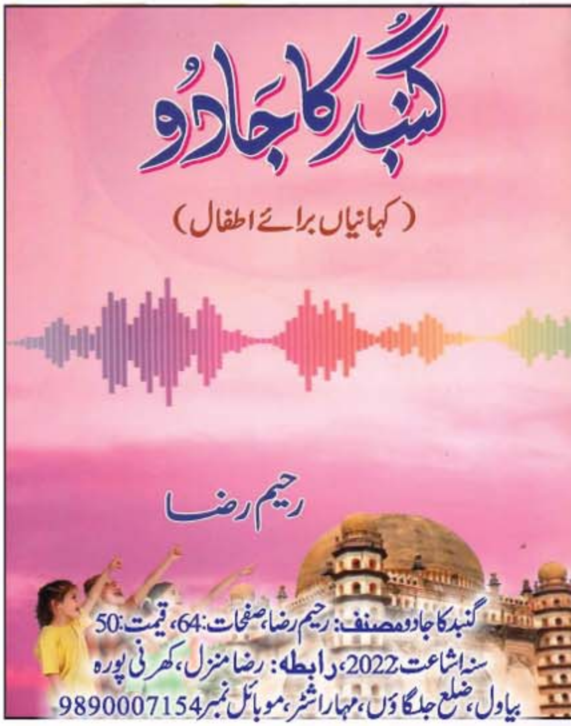

کرے تو اسے نظر انداز کرنے کے بجائے بچوں سے تفتیش ضروری ہے۔ 'دانش نے افطار کروایا' میں پڑوسیوں کے حقوق کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر کسی کا پڑوسی امیر ہی ہو، اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو اپنے پڑوسی کا ہر حال میں خیال رکھنا چاہیے۔ 'گنبد کا جادو'، 'کھوکھلا مینار'، 'لفظوں کی مہک' یہ تینوں کہانیاں قومی اردو کونسل کے ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں شائع ہو کر داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ 'جادو کی چھڑی' میں استاد کی محنت و مشقت اور بچوں کی کردار سازی میں ان کے خلوص کا بھی ذکر ہے۔ اگر استاد بچوں کی غلطیوں پر ان کی سرزنش نہ کریں تو ان کا مستقبل تباہ و برباد ہو جائے گا، اس لیے استاد کی ڈانٹ ڈپٹ بچوں کی صحیح تربیت کے لیے بے حد ضروری ہے۔

ان کے علاوہ دوستی کا حق، نابینا مسیحا، نیا سورج نئی صبح، کڑوا سچ بھی عمدہ کہانیاں ہیں، جن کا مطالعہ بچوں کو ضرور کرنا چاہیے۔

کہانیوں کے اس عمدہ مجموعے کے لیے رحیم رضا صاحب کی ستائش کی جانی چاہیے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کہانیاں بچوں کی تربیت اور کرداری سازی میں معاون ثابت ہوں گی۔ ■

Mohd Ikram
Mob.: 9873818237

چاند کی دنیا

اندر جیت لال

ہر انسان حقیقی دنیا کے ساتھ خواب وتصور کی دنیا میں بھی رہتا ہے۔ ہم بیسیوں باتوں، عقیدوں اور تصورات کو حساب کے سوال کی طرح حل یا ثابت نہیں کرسکتے، مگر ایسی باتیں، عقیدے اور تصورات ہمارے ذہن پر سوار رہتے ہیں اور یہ لاشعوری طور پر خواہشمند ہوتے ہیں کہ ہمیں ان کی صحیح صورت دیکھنے کو نصیب ہو۔ ایک اعتبار سے چاند کے متعلق ہمیں اس کی خاصیت، شکل وصورت اور جغرافیائی وقوع پر ایک زمانے میں زیادہ علم نہ تھا، لیکن انسان نے بڑی جانفشانی سے چاند کے متعلق حالیہ برسوں میں زیادہ سے زیادہ تحقیق کر کے ہماری معلومات میں بڑا اضافہ کیا ہے۔

چاند ابتدائے آفرینش ہی سے انسان کی دلچسپی کا موضوع رہا ہے۔ اسے علم نجوم میں ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ اس سے کئی عقیدے وابستہ ہیں۔ ہندوستان میں لاکھوں لوگ اسے دیوتا کا درجہ دیتے ہیں۔ انگلستان میں شاہ ایلفرڈ کے زمانے تک چاند کی پرستش کی جاتی تھی۔ برازیل اور افریقہ میں آج بھی چاند کو خدا ماننے والے لوگ موجود ہیں۔ ادھر ہمارے ہاں سنسکرت ادب میں علم نجوم اور خصوصاً چاند پر بڑی معلومات ملتی ہیں۔

آج کے سائنسی دور میں چاند کی زمین پر تحقیق کا کام حالیہ برسوں میں کافی آگے بڑھ گیا ہے اور ایک دن تین آدمیوں نے اپولو-II کے ذریعے چاند کی کنواری سرزمین پر انسان کی تاریخ میں پہلی بار قدم رکھ کر انسان کی عظیم الشان قوت تسخیر کا سکہ بٹھا دیا۔ اس کے بعد اپولو نام سے دوسری اڑانیں کامیاب رہیں۔ اسے انسانی مہم جوئی کا ایک عجیب وغریب کرشمہ کہیے کہ آج کے انسان نے پہاڑ جیسی دشوار سرگزشت کو کامیاب کر دکھایا ہے، انسان ہر دور میں اپنی سابقہ دوڑ سے آگے بڑھتا رہا ہے۔ رکنا انسان کے مزاج میں داخل نہیں ہے بلکہ مشکل سے مشکل راستوں کو پار کرنا انسان کی سرشت میں شامل ہے۔ اس جذبے اور لگن کی عکاسی اقبال کے ان اشعار میں ملتی ہے۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے مکان و زماں اور بھی ہیں

اسی طرح انگریزوں کے مشہور شاعر ایمرسن نے بھی انسان کوخطاب کرتے ہوئے چند سال پہلے کہا تھا ''اپنے رتھ کو ستاروں پر چڑھا دو'' اور آج کے انسان نے حالیہ برس میں زمین سے اڑھائی لاکھ میل کی دوری پر واقع چاند کی زمین پر اپنا رتھ اتار کر اپنا سفر فخر سے بلند کر دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا کہ زمین سے چاند تک کا سفر ایک حقیقت بن سکتا ہے۔

دراصل تحقیق و تجسس کا جذبہ جب انسان کو عمل کے لیے کمر بستہ کرتا ہے تو ناممکن ممکن میں بدل جاتا ہے۔ مشکل کام آسان ہو جاتا ہے اور قطرہ سمندر کا کام کر دکھاتا ہے۔ برفیلے پہاڑیوں کی بلندیاں، فضا کی وسعتیں اور سمندر کی گہرائیاں انسان کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ قدرت کے سربستہ رازوں تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ آخر ایسی کوشش اشرف المخلوقات نہ کرے گا تو اور کون کرے گا وہ اس لیے کہ جتنا فہم و شعور اشرف المخلوقات کو میسر ہے وہ کائنات میں کسی دوسرے جاندار کو نصیب نہیں۔ جگر مراد آبادی کے الفاظ میں۔

گھٹے اگر تو بس ایک مشتِ خاک ہے انساں
بڑھے تو وسعت کونین میں سما نہ سکے

یعنی اگر انسان محض عاجزی سے کام لے تو ایک مٹھی بھر خاک سے بڑھ کر اس کی حیثیت نہیں لیکن وہی انسان اگر اپنی عظمت اور ہمت پر بھروسہ کرتے ہوئے کمر بستہ ہو جائے تو ستاروں پر کمند ڈال سکتا ہے۔

سائنس دانوں کا خیال رہا ہے کہ چاند ایک گول کرہ ہے جس میں حرارت ہے نہ روشنی، نہ آکسیجن، نہ نباتات یہ سورج کی روشنی کو آئینے کی طرح منعکس کرتا ہے اور ہمیں چمکتا نظر آتا ہے۔ ذرا غور سے دیکھیے تو یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ چاند کا سب سے زیادہ چمکدار حصہ سورج سے بہت زیادہ قریب رہتا ہے۔

چاند زمین کے گرد بیضوی مدار میں گھومتا ہے اور $27^1/_3$ دن میں زمین کے گرد اپنا چکر پورا کرتا ہے۔ ہمیں چاند کا صرف وہ حصہ نظر آتا ہے جس پر پورے طور سے سورج کی روشنی پڑتی ہے۔ پورے چاند کو چودہویں رات کا چاند یا بدر کہتے ہیں اور ایک رات کے چاند کو ہلال۔ ایک دفعہ پورا ہو جانے کے بعد دوبارہ پورا ہونے میں چاند کو تقریباً $27^1/_3$ دن کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ دوسرے چاند کو ہلال سے بدر اور پھر بدر سے سے ہلال ہونا پڑتا ہے۔

زمین سے چاند تک کا سفر زمین کے ہر سفر سے مختلف ہوتا ہے کیونکہ خود زمین اور چاند خود ہر وقت نہایت تیزی کے ساتھ خلا میں سفر کرتے رہتے ہیں اس لیے خلا میں ان کا مقام بدلتا رہتا ہے، خلا سے مراد وہ جگہ ہے جو ہوا سے خالی ہو۔ چاند کا سفر ایک خلائی سفر ہے۔

زمین سے اوپری فضا کی طرف سفر کرنے میں سب سے بڑی مشکل زمین کی کشش ثقل کی ہے۔ پہلے اس کشش کو سمجھ لیجیے۔ دنیا کی ہر چیز زمین سے ایک رشتہ رکھتی ہے اور زمین کی سطح پر ٹکی ہوئی ہے۔ مٹی کا ڈھیلہ، گیند، پھل، کتاب، پتھر، کچھ بھی اوپر کی طرف پھینکیے خود بخود زمین کی طرف آپڑے گا۔ زمین کی اس کشش کو کشش ثقل کہتے ہیں۔ اگر آپ اس کشش کو توڑنا چاہیں تو ایسی چیزیں آپ کو پچیس ہزار فی گھنٹے کی رفتار سے پھینکنا ہوں گی۔ اب مشکل یہ ہے کہ آپ کتنا ہی زور ان چیزوں کو پھینکنے میں لگائیں۔ یہ اس سطح تک نہیں پہنچ پاتیں جہاں کشش ثقل کام ہی نہ کرتی ہو۔ چنانچہ آج کا سائنس داں اس کشش کو توڑ کر ہی چاند تک پہنچ سکتا ہے۔

اگر ہم سات میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اڑیں تو لگ بھگ دو دنوں تک چاند پر پہنچ سکتے ہیں۔ جیسے جیسے ہم زمین کی سطح سے اوپر اڑتے جائیں گے ویسے ویسے فضا صاف ہوتی جائے گی۔ دھند، غبار ذرات وغیرہ کے جو دھندلکے ہماری فضا میں روشنی کو پوری طرح پھیلنے نہیں دیتے۔ آہستہ آہستہ کم سے کم ہوتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ آسمان کا رنگ زیادہ سے زیادہ نیلا ہوتا جائے گا۔ اب لطف یہ ہے کہ آسمان نیلے سے گہرا نیلا، پھر گہرا بھورا اور آخر میں لگ بھگ سیاہ ہو جائے گا اور اسی طرح آخر کار بالکل کالا ہو جائے گا۔ ہاں سورج چاند اور ستارے اپنے اپنے رنگوں میں ضرور روشن ہوتے رہیں گے بلکہ زیادہ روشن ہوتے جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب ان میں سے نیلا رنگ آسمان کے رنگ میں جذب ہونے کے لیے ان سے الگ نہیں ہو رہا ہوگا۔ ستارے ٹمٹمانے کی بجائے لگاتار روشن رہیں گے کیونکہ فضا میں کوئی دھندلکا ان کی روشنی کو پوری طرح سے ہم تک پہنچانے میں حائل نہیں ہوگا۔ ذرا زمین کی طرف پلٹ کر دیکھیے تو آپ حیران ہوں گے کہ ساری دنیا دھند اور بادلوں سے بھری ہوئی ہے۔

جب ہم چاند کی طرف بڑھتے جائیں گے تو ہمارے سامنے کی فضا صاف تر اور روشن ہوتی جائے گی اور ہم سب اندھیروں، گرد و غبار اور دھوؤں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں گے۔ زمین کی فضا میں کئی رنگ دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً شفق کا رنگ، پو پھٹنے کا رنگ، دوپہر چمکتی دھوپ کا رنگ، کچھ فاصلے پر دکھائی دینے والی چیزوں کا رنگ وغیرہ وغیرہ، لیکن چاند کے کرہ پر اس طرح کے زیادہ رنگ بالکل نہ ہوں گے۔ چاند پر صرف روشنی ہوگی یا صرف اندھیرا۔ یوں کہیے کہ جس منظر یا چیز پر سورج کی روشنی پڑے گی وہ روشن ہوگی۔ باقی سب سیاہ۔ یہ سب ایسا ہوگا جیسا ہم کسی سنیما ہال میں بیٹھے ہوں جس میں روشنی صرف ایک ننھے سے سوراخ سے باہر آ سکتی ہو۔ جس منظر یا شے پر روشنی پڑے گی تو روشنی کا رنگ نظر آئے گا ورنہ گھٹا ٹوپ اندھیرا چمکتا سورج ایک دم اتنی تپش سے چمکے گا جتنی تپش سے زمین پر دوپہر کے وقت چمکتا ہے۔ سورج بجلی کے بٹن کی سی پھرتی سے روشن اور اوجھل ہوا کرے گا۔

یاد رہے کہ چھوٹے بڑے سیارے آپس میں ٹکراتے ہیں۔ کبھی ایک دوسرے کے نزدیک ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی اس زور سے ٹکراتے ہیں کہ آپس میں جڑ جاتے ہیں اور خود اس طرح بڑے ہوتے رہتے ہیں، لیکن چاند آج تک کسی سیارے

میں سمانہیں سکا۔ جیسے جیسے زمین بڑھتی گئی وہ بھی بڑھتا رہا اور ہر حالت میں زمین کے گرد گھومتا رہا۔ چاند کا قطر زمین کے قطر سے چوتھائی ہے۔ دوسرے چاند کی سطح پر کشش ثقل زمین کی سطح پر کشش ثقل کا 1/6 ہے۔ یعنی جس شے کا وزن زمین پر چھ من ہو اس کا وزن چاند پر صرف ایک من رہ جائے گا۔ ہم کئی من سامان اٹھا کر چاند کی زمین پر چل سکیں گے۔ اونچی اونچی چھلانگیں گھنٹوں لگانے پر تھکاوٹ محسوس نہ کریں گے۔ عام طور پر ایک آدمی چھتیس فٹ کی اونچائی تک چھلانگ لگا سکے گا اور اچھا خاصا کھلاڑی ایک سوبیس فٹ کی اونچائی تک۔

ویسے عناصر کی جو ترتیب زمین کی ساخت میں موجود ہے لگ بھگ وہی چاند پر بھی ہوگی۔ فرق صرف یہ ہے کہ زمین پر پانی کی موجودگی سے زندگی کا جنم ہوا۔ نباتات کو زندگی ملی۔ ہوا بنی اور جانور پیدا ہوئے۔ اس کے برعکس چاند پر کسی زمانے میں بھی پانی ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ لاوے سے بنی ہوئیں چٹانوں کا امکان ضرور ہوسکتا ہے۔

ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ چاند پرانے وقتوں میں زمین ہی کا ایک حصہ ہوگا۔ اس زمانے میں زمین اپنی سالانہ گردش میں سورج کے قریب آئی ہوگی تو دونوں طاقتیں اس پر کام کر رہی ہوں گی۔ ایک تو زمین کے لٹو کی طرح اپنے محور کے گرد گھومنے کی اور دوسرے سورج کی کشش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمین ناشپاتی کی طرح پچک گئی، اس میں ایک ابھار پیدا ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد اس کی شکل ڈمبل جیسی ہوگئی۔ جس کا ایک حصہ دوسرے سے بڑا تھا۔ آخر یہ چھوٹا حصہ اس کا ساتھ نہ دے سکا اور اس سے الگ ہو کر فضا میں تیرتا ہوا دور نکل گیا جسے بعد میں چاند کا نام دے دیا گیا۔

ماضی قریب میں چاند زمین کے زیادہ قریب تھا اور اب دور سے دور تر ہوتا جا رہا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق چاند ہر سال زمین سے لگ بھگ ایک انچ دور ہوتا جا رہا ہے۔ یوں کہیے کہ ایک کروڑ سال پہلے چاند اور زمین کے درمیان سوا لاکھ میل کا فاصلہ تھا اور آج یہ فاصلہ 2½ لاکھ میل تک پہنچ چکا ہے۔

گیلیلیو پہلا سائنسداں تھا جس نے دوربین کے ذریعے یہ انکشاف کیا کہ چاند پر غاریں اور پہاڑ ہیں، لیکن یہ دوربین بہت فاصلے کی وجہ سے چاند کی پوری تصویر پیش نہ کر سکی، اس کے بعد خلا میں اڑنے والے ہوائی جہازوں سے چاند کی زمین کے عکس حاصل کیے گئے جن سے کچھ معلومات ملیں، لیکن خلا کی وسعتوں کو پار کرتے ہوئے اور اوپری فضا سے معلومات حاصل کرنے والے ہوائی جہاز بھی قابل اعتماد مواد بہم نہ پہنچا سکے۔ ہاں آج کے انسان نے خود چاند پر اتر کر وہاں کی زمین کی تصاویر اتاریں۔ راکھ اور پتھر کے نمونے حاصل کیے۔ ان نمونوں کا تجزیہ کیا گیا جن سے پتہ چلا کہ چاند کی زمین پر کاربن موجود ہے۔ ہیرے کاربن سے بنتے ہیں، چنانچہ آج سے ہزاروں سال پہلے جو درخت زمین کی تہہ میں دب گئے تھے وہ حرارت سے جل کر کوئلہ یعنی کاربن بنے اور پھر زمین کی مسلسل حرارت اور دباؤ سے پھر کاربن سے کرسٹل یعنی ہیرے جواہرات بن گئے۔

آج سے پہلے چاند پر کاربن ہے یا نہیں سب اندازے کی باتیں تھیں ویسے کاربن کی موجودگی حیات کے آثار کو ثابت کر سکتی ہے، لیکن چاند سے لائی گئی مٹی اور پتھروں سے اب پتہ چلا ہے کہ چاند پر کسی قسم کی زندگی نہیں۔ نہ حیوانی نہ نباتاتی اور نہ جراثیمی۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ نظام شمسی کے ساتھ ساتھ چاند کا بھی جنم ہوا تو سورج کے کرہ پر جو تحقیقات آئندہ دنوں میں ہوگی اس سے سورج کے متعلق تو نئی باتیں معلوم ہوں گی ہی اس سے کئی نئے گوشے چاند کے متعلق بھی شاید سامنے آئیں

اور تو اور ہماری زمین کے متعلق کئی طرح کے نئے انکشاف سامنے آئیں گے۔ ایک اعتبار سے زمین کا اندرونی حصہ زیادہ تیزی سے تبدیل ہوتا رہتا ہے اور پھر اس کی ہیئت بھی بڑی تیزی سے بدلتی رہتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ زمین کے متعلق کی گئی براہِ راست تحقیقات سے خاطر خواہ نتائج نہیں برآمد ہوسکتے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ زمین کے اندرونی حصے میں جو جغرافیائی یا دوسری تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اس کا اثر زمین پر واقع پہاڑوں اور دوسری سطحوں پر بھی پڑتا ہے۔ اس اعتبار سے نظامِ شمسی اور چاند کی طرف اگر تحقیقات کی جائے تو زمین کے متعلق بھی نئی نئی معلومات مل سکتی ہیں۔

چاند کی طرف خلا کا سفر بڑا دلچسپ رہا ہے۔ خلائی سفر راکٹ کی ایجاد سے شروع ہوا۔ دراصل دوسری بڑی جنگ میں جرمنی نے اپنے دشمنوں کو ڈرانے کے لیے راکٹوں کا استعمال کیا۔ بعد میں جنگی مصروفیتوں کی وجہ سے خلائی سفر کا کام چند سالوں کے لیے لگ بھگ بند ہوگیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب حالات معمول پر آگئے تو دنیا کے سب بڑے ملکوں نے زمین سے اوپر اڑنے اور چاند کی طرف اڑان بھرنے کے پروگرام بنانے شروع کردیے اور اس طرح راکٹ کے ذریعے چاند کی طرف خلائی سفر کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کا کام ازسرنو زور وشور سے شروع ہوگیا۔ یاد رہے کہ چاند کا سفر ہوائی جہاز میں نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خلا میں ہوا نہیں ہے، اور ہوائی جہاز اڑان کے لیے ہوا کا طلب گار رہتا ہے۔ اس کے برعکس راکٹ اس جگہ خوب اڑتا ہے۔ جہاں ہوا نہ ہو یوں سمجھیے خلا کے سفر کے لیے راکٹ سے بہتر کوئی دوسری سواری ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک اور بات یہ ہے کہ راکٹ کی رفتار ہوائی جہاز کے مقابلے میں بہت تیز ہوتی ہے جب راکٹ کی رفتار 5 میل فی سیکنڈ (18000 میل فی گھنٹہ) پہنچ جاتی ہے تو وہ زمین کے گرد چکر کاٹنے لگتا ہے اور جب اس کی رفتار 7 میل فی سیکنڈ (25000 میل فی گھنٹہ) پہنچ جاتی ہے تو وہ زمین کی قید سے آزاد ہوکر خلا میں چلا جاتا ہے، اس مرحلے پر اگر اس کی منزل چاند طے کردی جائے تو ظاہر ہے وہ چاند پر پہنچ ہی جائے گا۔

چاند پر قدم رکھنے کے لیے مسافر یا ہواباز کو خلائی لباس پہننا بڑا ضروری ہوتا ہے۔ ہر بار جب راکٹ کے انجن چالو کیے جاتے ہیں تو اس لباس کا پہننا اور ضروری ہوجاتا ہے۔ چاند پر قیام کے دوران بھی اس لباس کا پہننا ضروری ہے۔ جہاز کے اندر ایسا لباس اتارا جاسکتا ہے اور عام لباس پہن کر کام یا آرام کرسکتے ہیں۔ اگر کسی جہاز کے اندر کی ہوا خارج ہوجائے اور مسافر خلائی لباس نہ پہنے ہوں تو ان کی موت ہوسکتی ہے۔ چاند کی سطح پر یہ لباس پہن کر مسافر چار گھنٹے تک چل سکتے ہیں۔

ان حالیہ برسوں میں روس نے لونا نام سے اور امریکہ نے اپولو نام سے کسی کامیاب خلائی سفر چاند کی طرف کیے۔ چاند کی زمین پر بحفاظت اترنا ایک عظیم سائنسی اور فنی کارنامہ ہے اور جدید دور کا ایک نادر کرشمہ۔ یہ انسان کی فضیلت اور عظمت بھی ثابت کرتا ہے۔ دوسرے انسان کا چاند کی طرف خلائی سفر دوسرے سیاروں کی طرف خلائی سفروں کی غمازی کرتا ہے۔ آخر انسان صرف چاند ہی پر اترنا نہیں چاہتا بلکہ آج کا انسان ہر خواب کو حقیقت میں بدلنا چاہتا ہے۔ بقول شاعر (جاوید وشِشٹ)

چاند تاروں کے رنگ و نور کی خیر
آدمی کی نظر اب ان پر ہے

■

ماخذ: سائنس کی باتیں، **مصنف:** اندر جیت لال، **چوتھی اشاعت:** 2011، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

اکبر خان 'اشک' جالوری

کان اور بہرا پن

کان ایک حسی عضو ہے جو آواز کی تلاش کرتا ہے اور یہ نہ صرف آواز کو سنتا ہے بلکہ جسم کو متوازن اور صحیح حالت میں رکھنے میں بھی بڑا کام سرانجام دیتا ہے۔ بہت سے جانوروں کے دو کان ہوتے ہیں۔ ایک کان سر کے ایک طرف اور دوسرا سر کے دوسری طرف، اس سے اس جگہ کا پتہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ دماغ یا مغز دراصل مرکزی عصبی نظام کا ایک ایسا حصہ ہوتا ہے جس میں عصبی نظام کے تمام اعلیٰ مراکز پائے جاتے ہیں۔

اکثر جانداروں میں دماغ سر میں موجود ایک ہڈی کے صندوق میں محفوظ ہوتا ہے جسے کاسہ سر یا کھوپڑی کہتے ہیں اور چار بنیادی حسیں (دیکھنا، سننا چکھنا اور سونگھنا) اس کے قرب و جوار میں ہوتی ہیں۔

فقاریہ (ریڑھ کی ہڈی والے) جانداروں (مثلاً 'انسان') کا عصبی نظام دراصل عصبی عقدوں یا یوں کہیں کہ عصبی خلیات کی چھوٹی چھوٹی گرہوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ دماغ ایک انتہائی پیچیدہ عضو ہے۔ اس بات کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دماغ میں تقریباً 100 ارب (ایک کھرب) خلیات پائے جاتے ہیں۔ (یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ صرف ان خلیات کی تعداد ہے جن کو عصبات یا نیورون کہا جاتا ہے اور پھر ان 100 دیگر خلیات کے ساتھ 10000 ارب خلیات میں سے بھی ہر ایک عصبی تاروں یا ریشوں کے ذریعے تقریباً رابطے بناتا ہے۔

ہم اپنے کانوں کا دھیان نہیں رکھتے، اس لیے ہم بہرے ہو جاتے ہیں۔ ہم بہرے ہو گئے اس کا ہمیں کیسے پتہ چلے گا؟

1 جب ہم ریموٹ سے ٹی وی کی آواز بڑھاتے ہیں۔

2 ٹیلی فون یا موبائل پر گفتگو کرتے ہوئے مخاطب کو زور سے بولنے کے لیے کہتے ہیں۔

3 ہمارے سامنے بیٹھا ہوا شخص، جو بات کرتا ہے وہ برابر سنائی نہ دے اور ہم اسے پھر سے بولنے کے لیے کہیں۔

4 راہ چلتے ہوئے ہمیں موٹر سائیکل یا موٹر کار کا ہارن نہ سنائی دے اور کوئی ہم کو کہے، بہرے ہو گئے ہو کیا؟

5 کان میں گھنٹی یا سیٹی کی آواز سنائی دے۔

بہرہ ہونے کی کیا وجوہات ہیں؟

1 جیسے جیسے ہماری عمر بڑھتی ہے، ویسے ویسے ہمارے کان کے اندر کے ہیئر سیل ناپید ہونے کے سبب برابر سنائی نہیں دیتا۔

2 آواز زیادہ تیز ہونے پر بھی ہیئر سیل ناپید ہو جاتے ہیں اور ہم کو برابر سنائی نہیں دیتا۔

3 پیدائشی یا قدرتی کمی کی وجہ سے ہم سن نہیں سکتے۔

بہرہ نہ ہونے کے لیے مندرجہ ذیل احتیاطی قدم اٹھائیں:

1 ہماری آنکھوں کی طرح کان کی حفاظت کے لیے پلکوں جیسا کوئی محافظ پردہ نہیں ہوتا۔ اس لیے سبھی طرح کی چھوٹی بڑی آوازیں مسلسل کان سے ٹکراتی رہتی ہیں اس لیے ذیل میں آواز کی پیمائش اور مقدار ناپنے کے لیے ڈی سیبل (Decible) میں نقشہ دیا جارہا ہے:

1	پتے کی آواز	10
2	آہستہ بات کرنا	20
3	عام بات چیت	60
4	ٹی وی کی عام آواز	70
5	سامان ڈھونے والا ٹرک	80
6	سینما، تھیٹر، بارات کا بینڈ، بارودی، پٹاخہ، لکچر	90
7	ہوائی جہاز کی آواز	130

نوٹ: 130 ڈی سیبل کی آواز سے کان میں درد اور 140 اور اس سے زائد ڈی سیبل والی آواز ہو تو کان کا اندرونی پردہ پھٹ جاتا ہے۔

آواز کے کڑکنے اور تیز ہونے کی مقدار کے حساب سے الگ الگ اشخاص کے کان پر اثر ہوسکتا ہے۔ کوئی زور سے بات کرتا ہو، تب کار یا ٹرک کی آواز اور سینما میں پکچر دیکھتے وقت کی آواز۔ بارات کے بینڈ باجے کی آواز۔ کسی ہال میں لکچر یا سنگیت کی آواز کو سنتے وقت ہمارے کان کی قوت سامعہ (سننے کی طاقت) ہمیشہ کے لیے ختم نہ ہوجائے اس لیے جہاں تک ہوسکے ایسی آوازوں سے دور ہی رہنا بہتر ہوگا:

1 کان کو آواز سے محفوظ رکھنے کے لیے دونوں کانوں میں صاف ستھری روئی یا ایئر پلگ یا ایئر مف لگانا چاہیے۔

2 سگریٹ پینا بند کرنا چاہیے۔

3 اسی طرح سیکنڈ ہینڈ اسموک (سگریٹ کا دھواں) ہمارے سانس میں نہ جانے پائے۔

4 قدرت نے ہمارے کان کا میل اپنے آپ نکل جائے ایسا انتظام کیا ہوا ہے۔ اس لیے ہمارے کان میں کھجلی ہونے پر دیا سلائی، گاڑی کی چابی یا اور کوئی نکیلی چیز سے کان کھجلانے پر کان میں چوٹ لگنے یا کان کا پردہ پھٹنے کا خطرہ رہتا ہے۔ ایسا ہو تو کان کے ڈاکٹر کے پاس جاکر کان کی صفائی کروانا چاہیے۔

5 اندازاً 200 قسم کی دوائیں لینے سے ہمارے کان بہرے ہوسکتے ہیں اس لیے خاص طور پر اینٹی بایوٹک، کینسر کی دوائیں، زیادہ مدت تک ایسپرین لیتے وقت ڈاکٹر کی صلاح ضرور لی جائے۔

6 اصولی طور پر 20 سے 40 سال تک ہر سال اور 40 سے 60 سال تک ہر چھ ماہ اور اس کے بعد ہر تین ماہ کے درمیان کان کے ماہر ڈاکٹر سے جانچ ضرور کروا لینا چاہیے۔ ضروری لگے تو 'آڈیوگرام' کروالینا چاہیے تاکہ اس بات کا پتہ چلے کہ ہماری قوت سامعہ کتنی ہے۔

7 ہمارے کان، ناک اور گلا ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہوتے ہیں۔ جب سردی، زکام کے بیکٹریا کان میں جاتے ہیں تو چھوت لگ جاتی ہے اور ہمارے کان کی قوت سامعہ کم ہوسکتی ہے۔ اس لیے سردی، زکام نہ ہو اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے۔

8 غسل کرنے کے بعد باریک کپڑے سے کان کے اندرونی حصے کی صفائی کرنا چاہیے۔ اسی طرح تیرتے وقت ایئر پلگ رکھنا چاہیے، جس سے پانی نہاتے وقت کان کے اندر نہ جانے پائے۔

آخری یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ کان کی قوت سامعہ چھوت کی وجہ سے یا تیز آواز کی وجہ سے کان کا پردہ پھٹنے کے سبب جاتی رہے تو جسم کے دوسرے اعضا کی طرح کان بدلے نہیں جاسکتے اس لیے ہمیں کانوں کا خاص طور پر دھیان رکھنا چاہیے۔

■

Akbar Khan Ashka Jalori
Mohalla: Jushian Fort Road
Jalore - 343001 (Rajasthan)
Mob.: 9413384093

صباحت فردوس

بڑا شیرو اور چھوٹا شیرو

ایک خوبصورت سے جنگل میں ایک چڑیا اپنے دو بچوں کے ساتھ ایک گھونسلے میں رہا کرتی تھی۔ چڑیا کا گھونسلہ برگد کے بڑے سے پیڑ پر بنا تھا۔ چڑیا نے اپنے ننھے منّے بچوں کے نام بڑا شیرو اور چھوٹا شیرو رکھا تھا۔ چڑیا نے اپنے بچوں کا یہ نام کیوں رکھا تھا؟ کیونکہ چڑیا چاہتی تھی کہ اس کے دونوں بچے جنگل کے راجا شیر کی طرح بنیں۔ لیکن کیا سچ مچ چڑیا کے دونوں بچے شیر کی طرح بہادر تھے؟ نہیں بالکل بھی نہیں۔ چڑیا کے دونوں بچے بڑے ڈرپوک تھے۔ انھیں اس دنیا میں آئے کتنے دن ہوگئے تھے مگر انھوں نے ابھی تک اڑنا نہیں سیکھا تھا۔ بڑا شیرو اس معاملے میں تھوڑا بہتر تھا۔ وہ گھونسلے میں ہی اِدھر اُدھر چکر لگا لیا کرتا تھا مگر چھوٹا شیرو!! اف وہ تو انتہائی بزدل تھا۔ اور بڑا سست بھی تھا۔ دن بھر ایک ہی جگہ پڑا رہتا تھا۔ بیچاری چڑیا خوب محنت کر کے ان کے لیے غذا کا بندوبست کرتی تھی۔ لیکن وہ دونوں دن بہ دن سست ہوتے جا رہے تھے۔ آخر ایک دن چڑیا نے تنگ آ کر ان سے کہا۔

”تم دونوں اڑنا کب سیکھو گے؟ میں تھک جاتی ہوں روز تمھارے لیے کھانا لاتے لاتے۔ اب تو تمھارے پر بھی نکل آئے ہیں لیکن تم دونوں کاہل بنتے جا رہے ہو۔ دیکھو وقت سے پہلے اڑنا سیکھ لو ورنہ کسی دن تم پر بہت بڑی مصیبت آجائے گی اور اس وقت تمھارے پاس پچھتانے کا بھی موقع نہیں رہے گا۔“

چڑیا ان سے کہتی رہی مگر مجال ہے جو دونوں نے اس کی بات پر کان دھرا ہو۔

بس مزے سے وہ دونوں دانے کھاتے رہے
اور چڑیا انھیں دیکھتی رہی۔

آخر دن گزرتے رہے اور بڑے شیرو اور چھوٹے شیرو دونوں ہی سستی اور کاہلی کی نیند سوتے رہے۔ اُن دونوں نے اپنے آپ کو اڑنے کے لیے تیار کیا ہی نہیں۔

ایک دن اچانک برگد کے پیڑ پر ہل چل مچ گئی۔

ایک دوسری چڑیا ہانپتی کانپتی بڑے شیرو اور چھوٹے شیرو کی ماں کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

''چڑیا بہن تم جلدی سے اپنے بچوں سمیت یہاں سے بھاگ جاؤ۔ کیونکہ اس درخت پر ایک زہریلے سانپ نے بسیرا کرلیا ہے اور وہ کسی بھی وقت تمھارے بچوں اور تم پر حملہ کرسکتا ہے۔ میں بھی اس برگد کے درخت سے دور اپنا آشیانہ بنانے جا رہی ہوں۔''

چڑیا، دوسری چڑیا کی بات سن کر پریشان ہوکر بولی۔

''لیکن میرے بچوں نے تو ابھی اڑنا بھی نہیں سیکھا''

''اچھا......!!! ہمارے پاس بس ایک ہی راستہ ہے کہ ان کے اندر کا ڈر نکال کر انھیں اڑا دیا جائے۔ میں تمھارے بچوں کو دھکا دے کر انھیں آسمان میں اڑانے کی کوشیش کرتی ہوں۔'' دوسری چڑیا نے کہا۔

''لیکن اگر انھیں کچھ ہوگیا تو......؟''

''دیکھو چڑیا بہن ہمارے آگے کنواں اور پیچھے کھائی ہے اگر تم اس بات پر عمل نہیں کروگی تو تم خود بھی سانپ کی غذا بن جاؤ گی۔''

دوسری چڑیا کی بات سن کر چڑیا بے حد پریشان تھی۔ آخر اس نے دوسری چڑیا کو اجازت دے دی کے وہ جو چاہے کرے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا اور اس سب کی واحد وجہ اس کے بچوں کی کاہلی تھی۔

اب وہ دونوں بچے گھبرانے لگے کیونکہ انھوں نے وقت سے پہلے اپنے آپ کو تیار نہیں کیا تھا۔ آخر دوسری چڑیا نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر انھیں گھونسلے کے کنارے کھڑا کردیا۔ بڑا شیرو آسمان کی بلندیوں کو دیکھ رہا تھا۔ چونکہ وہ چھوٹے شیرو کے مقابلے زیادہ سست نہیں تھا اس لیے دھکا دینے پر وہ آسمان میں اڑ گیا مگر چھوٹے شیروں کو دھکا دینے پر وہ سیدھا زمین پر جا گرا۔ کیونکہ اس نے اڑنے کے لیے کوشش بھی نہیں کی تھی اور پہلے سے ہی یہ گمان کرلیا تھا کہ وہ اڑ نہیں پائے گا اور نیچے گر کر مر جائے گا اس لیے اس کے ساتھ وہی ہوا۔ دونوں چڑیا نے جب نیچے جھانک کر دیکھا تو انھیں بہت دکھ ہوا۔ چھوٹے شیرو کی ماں تو رونے لگی تھی مگر دوسری چڑیا نے اسے دلاسا دیا اور وہ دونوں آسمان کی بلندیوں میں پرواز کر گئیں کیونکہ سانپ کسی بھی وقت انھیں اپنی غذا بنا سکتا تھا۔

اس لیے کہتے ہیں کہ ہمیں سست روی سے کسی بھی کام کو نہیں کرنا چاہیے، کیا پتا ضرورت کے وقت ہم میں اس کام کو کرنے کی سکت نہ رہے۔

■

Sabahat Firdous Binte Gulam Husain Khan
Class 11th (Arts)
Inayetiya Junior College
Nandura - 443404
Distt.: Buldana (Maharashtra)
Mob.: 7410562639

قابل افسر

شیخ عبدالبصیر مصدق

ایک چھوٹے سے گاؤں میں اسلم نام کا لڑکا رہتا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا۔ وہ بہت ہی ہونہار قابل اور عقلمند لڑکا تھا۔ وہ پڑھنے لکھنے میں جہاں بہت ذہین تھا وہیں شرارتوں میں بھی پیچھے نہ تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی کلاس میں اول درجہ سے کامیاب ہوتا تھا۔ اسے پڑھائی سے بہت لگاؤ تھا اس کی خواہش تھی کہ وہ بڑا ہو کر ایک آئی اے ایس افسر بنے۔ وہ گاؤں کے ایک چھوٹے سے اسکول میں پڑھتا تھا اور غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، جب وہ دسویں جماعت میں پہنچا تو اس کے والدین نے اسلم کا داخلہ شہر کے ایک بڑے اسکول میں کروادیا۔ اسے اس اسکول میں کچھ دوست مل گئے۔ وہ دن ہو یا رات اپنے دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے لگا اور ان کی صحبت میں بری عادتوں میں بھی ملوث ہوگیا، جس میں سے ایک اسمارٹ فون کی عادت تھی۔

وہ اپنے والدین سے اسمارٹ فون خریدنے کی ضد کرنے لگا۔ حیثیت نہ ہونے کے باوجود انھوں نے اپنے بچے کی خواہش پوری کرنے کے لیے قرض لے کر ایک اسمارٹ فون دلایا۔ اب وہ دن رات گیم کھیلنے میں لگا رہتا تھا۔ دھیرے دھیرے وہ پڑھائی سے دور ہونے لگا تھا، اس کے ماں باپ اس کو کافی سمجھانے کی کوشش کرتے لیکن وہ سمجھتا ہی نہیں تھا۔

دن گزرتے گئے اور آخرکار دسویں کے امتحان کا وقت آ ہی گیا۔ اسلم نے امتحان تو دیا مگر وہ کچھ نہ پایا تھا، اسے بہت افسوس ہو رہا تھا لیکن اب پچھتا کر کیا فائدہ۔ وہ امتحان کے بعد سے بہت سہما سہما اور ڈرا ڈرا سا رہنے لگا۔ آخرکار وہ دن آ ہی گیا جس کا اسلم کے والدین کو انتظار تھا اور اسلم کو ڈر۔ وہ دن دسویں کے نتائج کا دن تھا۔ جب اسلم نے اپنے رزلٹ کو دیکھا تو رونے لگ گیا اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح اپنے والدین کو بتائے گا کہ وہ فیل ہو چکا ہے۔ جب اس نے اپنے والدین کو اپنا رزلٹ بتایا تو وہ بہت غصہ ہوئے۔ انھوں نے اسلم سے اسمارٹ فون لے لیا، جس سے وہ بہت پریشان رہنے لگا۔

ایک دن اس کی ملاقات ان کے گاؤں کے اسکول کے ٹیچر سے ہوئی۔ انھوں نے اسلم کو حوصلہ دیا اور پھر سے کوشش کرنے کی ترغیب دی۔ اب اسلم دل لگا کر پڑھنے لگا، جس کا اسے پھل بھی اور اس بار اس نے پورے ضلع میں اول مقام حاصل کیا۔ جب اس کووالدین کواس کا علم ہوا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

اس کے بعد دن گزرتے گئے اسلم آئی اے ایس افسر بننے کے لیے دل و جان سے محنت کرنے لگا۔ اس نے اپنے خواب کو پانے کے لیے دن رات ایک کردیے۔

آخر وہ دن بھی آ گیا جس دن اسلم کو اس کی محنت کا پھل مل گیا وہ اچھے نمبروں سے پاس ہوگیا۔ آج وہ ایک قابل آئی اے ایس آفیسر ہے جس کو سب عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ آج اپنے والدین کے ساتھ ہنسی خوشی رہ رہا ہے۔

■

Shaikh Abdul Baseer Musaddique
Class: X (Mansoor Haigh School)
Barabhai Gali
Amba Jogai- 431517
Distt.: Beed (Maharashtra)
Mob.: 8624870719

یشفین ناز خلیق پٹھان، درجہ ہشتم، اردو ہائی اسکول، بادشاہ نگر، نندوربار، مہاراشٹر

صہبا ناز اعجاز احمد، درجہ یازدہم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

میسرہ فردوس محمد اختر، درجہ ہشتم
مولانا آزاد اردو ہائی اسکول، بدناپور، جالنہ، مہاراشٹر

مسکان الطاف منیار، درجہ ہشتم، اینگلو اردو ہائی اسکول دونڈائچہ، ضلع دھولیہ، مہاراشٹر

رفعت ناز، درجہ سوم، سیرت پبلک اسکول، 147Z/a، ویسٹ چاؤ باغ، کولکاتا، مغربی بنگال

محمد انیس خلیق الزماں، درجہ ہفتم بی
نیشنل اردو ہائی اسکول، دھولیہ، مہاراشٹر

محمد ذہان، درجہ سوم، گیان شری، نوئیڈا، سیکٹر 127، یوپی

فاطمہ بی رئیس خاں، درجہ پنجم
منڈی اردو پرائمری اسکول نمبر 1، برہانپور، مدھیہ پردیش

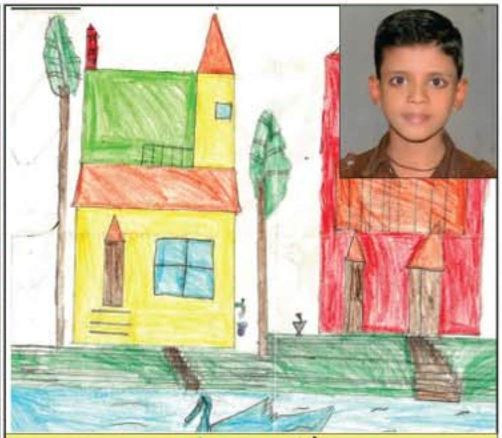

شیخ فیضان، درجہ پنجم
منڈی اردو پرائمری اسکول نمبر 1، برہانپور، مدھیہ پردیش

عدنان احمد نوشاد احمد، درجہ پنجم، ضلع پریشد اردو اسکول، ونی، امراوتی، مہاراشٹر

ارجمند فاطمہ امجد خان، درجہ چہارم، ضلع پریشد اردو اسکول ونی، امراوتی، مہاراشٹر

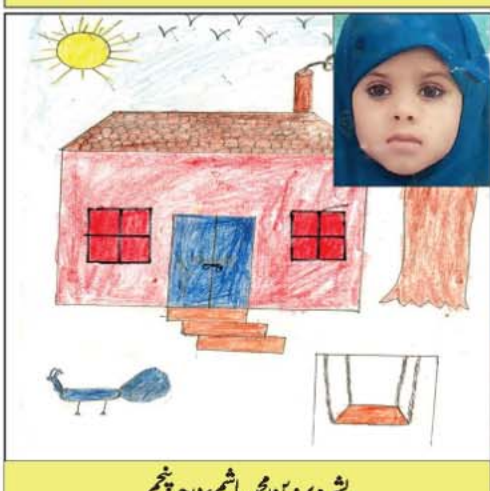

بشرہ پروین محمد ہاشم، درجہ پنجم
منڈی اردو پرائمری اسکول، برہانپور، مدھیہ پردیش

ننھے فنکار

اقراء زینب محمد مسعود، درجہ چہارم، اردو پرائمری سیفیہ اسکول، امراؤتی، مہاراشٹر

لائبہ ولد عمر فاروق، درجہ چہارم، مدرسہ ضیاء الاسلام پورہ مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی

تحریم بانو، پرائمری اسکول نمبر 1، برہانپور، مدھیہ پردیش

ارشمہ شاہین، منڈی اردو پرائمری اسکول نمبر 1، برہانپور، مدھیہ پردیش

تسمیہ فاطمہ راشد جمال، درجہ اول، جامعہ رحمانیہ، مدن پورہ، بنارس، یوپی

محمد حمزہ، درجہ ششم، دی اسکالر اسکول، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

یومِ جمہوریہ
تقریبات کی جھلکیاں

الغزالی انٹرنیشنل اسکول، ارریا، بہار

اقرا انٹرنیشنل اسکول، نئی دہلی

बच्चों की दुनिया मासिक, मार्च 2023, वर्ष 11, अंक 03
BACHON KI DUNIYA Monthly, March 2023 Vol. 11, Issue: 03
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/02/2023
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

یوم جمہوریہ کی تقریب میں ننھے منے بچوں کی شرکت

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language,
and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6